مسئلہ
حاضر و ناظر
مؤلف
ملک المدرسین استاذ العلماء
مولانا عطا محمد بندیالوی
مکتبہ جمال کرم لاہور

مسئلۂ حاضر و ناظر

مؤلف

امام المناظرہ استاذ العرب والعجم

مولانا عطا محمد بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ جمالِ کرم

9۔ مرکز الاویس (دستا ہوٹل) دربار مارکیٹ۔ لاہور فون: 7324948

نام کتاب	....	مسئلہ حاضر و ناظر
مؤلف	....	ملک المدرسین مولانا عطا محمد بندیالویؒ
زیر اہتمام	....	ایم احسان الحق صدیقی
بار دوم	....	2007ء
ناشر	....	مکتبہ جمالِ کرم لاہور
تعداد	....	1100
قیمت	....	24 روپے

مکتبہ جمالِ کرم

9۔ مرکز الاویس (اسٹاہول) دربار مارکیٹ۔ لاہور فون: 7324948

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ مقالہ مبارک ملک المدرسین، استاذ الاساتذہ مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ (ولادت ۱۹۱۶ء............ وفات ۴ ذیقعدہ مطابق ۲۱ فروری ۱۴۱۹ھ ۱۹۹۹ء) نے کئی سال قبل تحریر کیا تھا، اس کا عنوان ہے:

القول السدید فی بیان معنی الشاهد و الشهید

اس میں انہوں نے قرآن و حدیث، لغت اور آئمہ مفسرین و مترجمین کے اقوال کی روشنی میں مسئلہ حاضر و ناظر بیان کیا ہے، اہل سنت و جماعت کے موقف کی وضاحت کے ساتھ مخالفین کے شبہات کا ازالہ بھی فرمایا ہے۔

حضرت ملک المدرسین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلے میں اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ تحریر فرمایا ہے اور اسی کو مختار قرار دیا ہے:

آپ کے حاضر ناظر ہونے کا یہی عقیدہ ہے

کہ آپ اپنے مقام اعلیٰ وارفع میں تشریف فرما ہیں اور تمام عالم ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح آپ کے سامنے ہے۔ حاضر و ناظر کے مسئلہ میں یہ عقیدہ غلط ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات مقدسہ متعدد ہو جاتی ہے اور متعدد میں سے ہر ایک آپ کا عین ہے۔

راقم الحروف نے، جو علمی اور عملی اعتبار سے کسی شمار میں نہیں اور حضرت ملک المدرسین کے ادنیٰ دریوزہ گروں میں سے ہے، اس موضوع پر ایک مقالہ لکھا ہے ''الحبیب فی رحاب الحبیب حاضر'' اس کا ترجمہ ''روح اعظم ﷺ کی کائنات میں جلوہ گری'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس میں اس مسئلہ پر بھی گفتگو کی ہے کہ ایک شخص کا متعدد مقامات میں دیکھا جانا جائز ہی نہیں بلکہ بالفعل واقع ہے۔

اس کی چند صورتیں ہیں

۱۔ اللہ تعالیٰ حجابات اٹھا دے اور ایک شخص کو کئی جگہوں پر دیکھا جائے، باوجود وہ ایک ہی جگہ موجود ہو۔

٢۔ ایک شخص ایک جگہ موجود ہو، لیکن اس کی تصویریں کئی جگہ دیکھی جائیں، جیسے ٹیلیویژن میں ہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ ایک شخص کے لئے متعدد مثالی اجسام تابع فرمان فرمادے اور ان میں سے ایک ہی روح تصرف کرے، اس سے تکثر جزئی لازم نہیں آئے گی جو مناطقہ کے نزدیک محال ہے، کیونکہ وحدت اور تعدد کا مدار روح پر ہے اور وہ ایک ہے لہٰذا شخص بھی ایک ہوگا اگرچہ اجسام متعدد ہوں[1]

حضرت قرہ مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کا بیٹا فوت ہوگیا، نبی اکرم ﷺ نے اسے فرمایا: کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے؟ کہ تم جنت کے جس دروازے پر بھی جاؤ اسے انتظار کرتے ہوئے پاؤ۔

حضرت ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا

اس میں اشارہ ہے کہ خلاف عادت متعدد مکتسب اجسام ہو سکتے ہیں، کیونکہ بیٹا جنت کے ہر دروازے میں موجود ہوگا[2]

امام سیوطی علامہ علاء الدین قونوی سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں

یہ محال نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو دو یا اس سے زیادہ اجسام میں تصرف کی اجازت عطا فرمادے، اس قاعدے سے بہت سے مسائل کا استخراج کیا جا سکتا ہے اور بہت سے اشکالات حل ہو سکتے ہیں۔[3]

علامہ الوسی بغدادی مختلف جگہوں میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی روح اقدس آپ کے جسد اکرم کے ساتھ متعلق ہونے کے باوجود متشکل ہو کر سامنے آجاتی ہے اور اس کی زیارت ہوتی ہے، جیسے بعض علماء نے فرمایا کہ جبریل آمین علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے باوجود سدرۃ المنتھی سے جدا نہیں ہوتے تھے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی روح مبارک جسم مثالی سے متعلق ہو جاتی ہے اور اس امر میں کوئی مانع نہیں ہے کہ ان گنت مثالی اجسام ہوں اور ہر ایک جسم کے ساتھ آپ کی روح اقدس متعلق ہو، یہ تعلق ایسے ہی ہوگا جیسے ایک روح کا تعلق ایک جسم کے اجزاء سے ہوتا ہے (ملخصا)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی تالیف ''من عقائد اہل السنۃ'' (ص ۳۴۵،۳۵۷)

اس گفتگو کا مقصد صرف اتنا ہے کہ اس مسئلے کا دوسرا پہلو بھی قارئین کرام کے سامنے پیش کردیا جائے۔

قارئین کرام! ملک المدرسین حضرت علامہ مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کسی قدر تفصیلی حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے راقم الحروف کی کتاب ''نور نور چہرے'' ملاحظہ فرمائیں۔ اس وقت راقم صرف! چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہے:

١۔ راقم الحروف نے درس نظامی کا اتنا کثیر الفیض مدرس نہیں دیکھا، ساٹھ سال کے قریب آپ نے مسند تدریس کو رونق بخشی اور اس وقت آپ کے بیسیوں شاگرد پاکستان اور بیرونی ممالک میں علوم دینیہ کی خدمت یعنی تدریس اور تبلیغ میں مصروف ہیں، پاکستان کے اکثر مدارس آپ کے شاگردوں اور ان کے شاگردوں کی بدولت آباد ہیں۔ آپ کے سلسلہ تلامذہ کی چوتھی اور پانچویں کڑی بھی مصروف تدریس ہے۔

٢۔ آپ نے خالص مدرسانہ زندگی گزاری، یعنی نہ تو مسند مشیخت اور پیری سنبھالی اور نہ ہی خطابت کا میدان اپنایا، اس کے باوجود آپ کے شاگرد آپ سے والہانہ محبت و عقیدت رکھتے ہیں، یہ محبوبیت کسی دوسرے مدرس میں دکھائی نہیں دیتی۔

٣۔ انہیں جہاں اپنے پیر طریقت آفتاب گولڑہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی اور حضرت خواجہ پیر سید غلام محی الدین گولڑوی (بابوجی) رحمۃ اللہ تعالیٰ سے بے پناہ عقیدت تھی، وہیں اپنے اساتذہ حضرت مولانا یار محمد بندیالوی اور حضرت مولانا مہر محمد اچھروی رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی گہری عقیدت و محبت تھی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت

ملک المدرسین کو فیض و برکت کا دریا اور شاگردوں کا محبوب ترین استاد بنا دیا۔

آج طلباء کے لئے ملک المدرسین کا پیغام یہ ہے کہ عقیدت ومحبت کا مرکز صرف پیرومرشد ہی نہیں بلکہ استاذ اور ولی نعمت بھی ہونا چاہیے، تب ہی اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل حال ہوتا ہے اور سرکار دو عالم ﷺ کی نگاہ عنایت انسان کو میسر ہوتی ہے۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری

1- رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ

10 دسمبر 1999ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد الا هله والصلوة والسلام علی اهلهما اما بعد!

بندہ فقیر پر تقصیر عطا محمد چشتی گولڑوی بعد از السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اہل سنت وجماعت کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے حبیب لبیب، سرور دو عالم، سرکار مدینہ ﷺ کو قرآن پاک میں ''شہید'' اور ''شاہد'' فرمایا ہے۔

آیات ملاحظہ ہوں:

۱۔ ''وَيَكُونَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا'' (سورہ بقرہ ۲، ۱۴۳)

۲۔ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَجِئْنَابِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا'' (سورہ النساء ۴/۴۱)

(تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب! تمہیں ان سب پر گواہ ونگہبان بنا کر لائیں)

۳۔ ''يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا الخ'' (سورہ احزاب: ۴۵/۳۳)

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی)! بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔

بندہ اس مضمون میں یہ بیان کرے گا کہ شہید اور شاہد کا لغت میں کیا معنی ہے؟ اور مستند مفسرین اور محدثین نے اس سے کیا مراد لیا ہے؟ اور آنحضرت ﷺ کو شہید اور شاہد کس معنی میں فرمایا گیا ہے۔؟

مفردات امام راغب میں ہے:

'' الشهود والشهادة الحضور مع المشاهدة اما بالبصر او بالبصيرة''

یعنی شہود اور شہادت میں شاہد اور شہید کا حاضر ہونا اور دیکھنا ضروری ہے۔ خواہ آنکھ سے دیکھنا ہو یا دل سے۔ یہ شہادت اور شہود کا اصلی معنی ہے، آگے چل کر اسی مفردات

میں فرمایا:

" والشھادۃ قول صادر عن علم حصل بمشاھدۃ بصیرۃ او بصر"

یعنی شہادت اس قول کو کہا جاتا ہے کہ کہنے والے کو اس کا پورا علم ہو اور وہ علم نظر عقل یا آنکھ کی نظر سے حاصل ہو)

ان عبارات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ شاہد اور شہید کے لئے لغت کے لحاظ سے حاضر اور محضور (محضور اس کو کہتے ہیں جس کے سامنے کوئی اور حاضر ہو) کے لئے ناظر ہونا ضروری ہے۔ بیضاوی شریف میں ''وَادْعُوْا شُهَدَاءَكُمْ'' (الآیۃ) مذکور ہے۔

" الشھداء جمع شھید بمعنی الحاضر ا و القائم بالشھادۃ او الناصر او الامام و کانہ یحضر النوادی ویبرم بمحضرہ الا مور اذ التر کیب للحضور اما بالذات او بالتصور ومنہ قیل للمقتول فی سبیل اللہ شھید لانہ حضر ما کان یرجوہ او الملئکۃ حضروہ"

خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ شہداء شہید کی جمع ہے اور شہید کا اصلی اور لغوی معنی حاضر ہے اور جہاں بھی یہ ترکیب آئے گی، یعنی پہلے شین ہو اور اس کے بعد ھا ہو اور اس کے بعد دال ہو تو اس میں حضور والا معنی لازماً معتبر ہوگا۔

علامہ عبدالحکیم فاضل لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیضاوی کے حاشیہ میں اس کی چند مثالیں دی ہیں، جن میں یہ مادہ پایا جاتا ہے۔

" کالشھادہ مصدر شھد کعلم و کرم والشھود مصدر شھدہ کسمعہ شھود حضرہ والمشاھدۃ بمعنی المعاینۃ للحضور"

یعنی ان تمام مثالوں میں حضور والا معنی ہے اور مشاہدہ میں دیکھنا بھی ضروری ہے جیسے قائم بالشھادۃ جس سے مراد کسی واقعہ کا گواہ ہے اور ناصر، جس سے مراد مددگار ہے اور امام، جس سے مراد مسلمان کا خلیفہ ہے، علامہ بیضاوی نے ان پر بھی لفظ

شہید کا اطلاق کیا ہے، حالانکہ بظاہر ان میں حضور والا معنی نہیں پایا جاتا۔ اس لئے علامہ بیضاوی نے مذکورہ بالا عبارت میں تصریح فرمادی کہ ان تینوں یعنی گواہ اور مددگار اور امام میں بھی حضور والا معنی پایا جاتا ہے کیونکہ گواہ، مددگار تو مجلسوں میں حاضر ہوتے ہیں اور امام کے روبرو اور اس کے حضور میں مقدمات کے فیصلے ہوتے ہیں۔

اس عبارت سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ شاہد اور شہید کے لیے حاضر اور محضور (محضور اس کو کہتے ہیں جس کے سامنے کوئی حاضر ہو) کا ناظر ہونا ضروری ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہو جائے اس کو بھی شہید کہتے ہیں۔ اس لئے علامہ بیضاوی نے فرمایا کہ یہاں بھی حضور والا معنی پایا جاتا ہے، کیونکہ مقتول فی سبیل اللہ جس اجر اور ثواب کی امید رکھتا تھا، اس اجر اور ثواب کو وہ حاضر ہوگیا یا فرشتے اس مقتول کے پاس حاضر ہو جاتے ہیں۔

اسی قسم کا مضمون مفردات امام راغب میں بھی ملاحظہ ہو

" والشھید ھو المحتضر فتسمیتہ بذلک لحضور الملائکۃ ایاہ او ولا نھم یشھدون فی تلک الحالۃ ما أعد لھم من النعیم او لانھم تشھد أرواحھم عند اللہ "

یعنی مقتول فی سبیل اللہ کو، جو شہید کہا جاتا ہے، اس کی تین وجوہ ہیں وجہ اول، فرشتے شہید کے پاس حاضر ہوتے اس صورت میں شہید بمعنی مشہود ہوگا۔ وجہ دوم اور سوم یہ ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ اپنے ثواب اور اجر کو حاضر ہوتا ہے، یا ان کی روحیں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوتی ہیں، ان دونوں وجہوں میں شہید بمعنی شاہد اور حاضر ہوگا۔

مفردات امام راغب میں ہے

قولہ تعالی سائق وشھید ای من شھد لہ او علیہ . وکذا قولہ تعالیٰ

"فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا"

شہید فرمایا گیا ہے اس سے کون سا معنی مراد ہے؟ تو محققین مترجمین نے یا تو یہاں حاضر
ناظر کا معنی مراد لیا ہے یا قائم بالشہادۃ، یعنی گواہ مراد لیا ہے، حوالہ ملاحظہ ہو:
تفسیر عزیزی میں (وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا) کے ماتحت آیت کا یہ
مطلب بیان کیا گیا ہے

''یعنی و باشد رسول شما ﷺ بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ
ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست و حجابے
کہ بدان از ترقی مجوب ماندہ است کدام است پس اومی شناسد گناہاں شمارا و درجات
ایمان شمارا و اعمال نیک و بد شمارا و اخلاص و نفاق شمارا و لھذا شہادت او در دنیا بہ حکم شرع در
حق امت مقبول و واجب العمل است و آنچہ از فضائل و مناقب حاضران زمان خود مثل
صحابہ و ازواج و اھل بیت یا غائبان از زمان خود مثل اویس و صلہ و مہدی و مقتول دجال
یا از معائب و مثالب غائبان می فرماید اعتقاد بر آن واجب است و ازین است کہ
در روایات آمدہ کہ ہر نبی را بر اعمال امتیاں خود مطلع می سازند کہ فلانے امروز چنین
میکند و فلانے چناں تا روز قیامت ادائے شہادت تواند کرد''

(خلاصہ فارسی عبارت کا یہ ہے کہ شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ بالا کا
ترجمہ کیا ہے کہ تمہارا رسول تم پر گواہ ہوگا۔ اس ترجمہ پر کئی اشکال ہو سکتے ہیں جن کا
ازالہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے طویل عبارت میں کر دیا ہے۔

اشکال اول: گواہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ موقع پر حاضر اور جس چیز کی گواہی دے
رہا ہے، اس کا تعلق اگر دیکھنے سے ہے تو اس واقعہ کا دیکھنا بھی گواہ کے لئے ضروری
ہے۔ تو آنحضرت ﷺ کے لئے یہ دونوں چیزیں کیسے ثابت ہوئیں؟ تا کہ آپ گواہ
بنیں تو شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ کیا کہ آنحضرت ﷺ اپنے نور نبوت کے
ذریعہ مومنوں اور کافروں کے اعمال اور عقائد پر مطلع ہیں اور ہر دیندار کے دینی درجہ کو
بھی جانتے ہیں کہ وہ کس درجہ میں ہے؟ مثال کے طور پر لاکھوں کروڑوں اولیاء کرام

دنیا میں آئے اور قیامت تک آتے رہیں گے اور ہر ایک کی ہر دن سلوک میں ترقی
ہوتی ہے، تو آنحضرت ﷺ ان تمام اولیاء کرام کی ہر ایک دن کی ترقی کو بھی نور نبوت
سے پہچانتے ہیں کیونکہ اگر ہر دن کی ترقی آپ کو معلوم نہ ہو ہر دیندار کا درجہ دین کس
طرح معلوم ہوگا اور بعض اولیاء کرام کو سلوک کے راستے میں کسی وجہ سے حجاب اور پردہ
آجاتا ہے اور ترقی رک جاتی ہے، آنحضرت ﷺ ہر ایک کے حجاب کو پہچانتے ہیں اور
ہر دیندار کی حقیقت ایمانی کو بھی پہچانتے ہیں کہ اس کا ایمان کس قسم کا ہے؟ نیز اعمال
نیک و بد اور درجات ایمان، اخلاص و نفاق کو بھی پہچانتے ہیں، شکال اول کا ازالہ اس
طرح ہوا کہ نور نبوت سے ان تمام اشیاء کو دیکھ رہے ہیں۔

اشکال دوم: یہ ہو سکتا تھا کہ شاید یہ ساری اطلاع بذریعہ وحی ہوتی ہوگی، اس لئے شاہ
صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سب اشیاء پر اطلاع نور نبوت کے ذریعہ ہے۔

اشکال سوم: یہ ہوتا تھا کہ شاید یہ اطلاع دائمی نہیں ہے بلکہ گاہے گاہے ہوتی ہے تو اس
کا ازالہ فرمایا کہ یہ اطلاع نور نبوت سے ہوتی ہے چونکہ نور نبوت دائمی ہے کبھی آپ
سے منفک (جدا) نہیں ہو سکتا لہذا یہ اطلاع بھی دائمی ہے۔

اشکال چہارم: یہ وہم ہو سکتا ہے تھا کہ آیت شریفہ میں چونکہ (علیکم) کا لفظ ہے جس
میں ضمیر خطاب ہے تو شاید اپنے زمانے کے لوگوں کے احوال پر تو مطلع ہیں لیکن بعد
والے لوگوں کے حالات مذکورہ بالا کی اطلاع نہیں ہے، تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے
فرمایا کہ حاضران زمانہ مقدس اور غائبان زمانہ سب کے احوال نیک و بد پر مطلع ہیں۔

اشکال پنجم: چونکہ آیت مذکورہ بالا میں جس شہادت کا ذکر ہے وہ اخروی شہادت ہے
تو شاید دنیا میں آپ کی شہادت مقبول نہیں ہے، تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس
شبہ کا ازالہ کیا کہ دنیا و آخرت دونوں میں آپ کی شہادت مقبول ہے۔

اشکال ششم: یہ وہم ہو سکتا تھا کہ شاید امت کے احوال پر مطلع ہونا یہ آنحضرت ﷺ کا
خاصہ ہے جو دوسرے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام میں نہیں پایا جاتا، تو شاہ صاحب رحمہ اللہ

تعالیٰ نے اس کا ازالہ کیا کہ ہر نبی اپنی امت کے اعمال اور احوال پر مطلع ہوتا ہے۔

اشکال ہفتم: یہ وہم ہوسکتا تھا کہ شاید امت کے احوال فرشتے آپ کو بتلاتے ہونگے اور بغیر فرشتوں کے آپ کو احوال امت پر اطلاع نہیں ہوتی ہوگی، تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ازالہ فرمادیا کہ یہ اطلاع نور نبوت کے ذریعہ سے ہے اگرچہ فرشتے بھی اعمال پیش کرتے ہیں لیکن آپ سرور دو عالم ﷺ اس اطلاع کے محتاج نہیں ہیں بلکہ بغیر واسطہ فرشتوں کے نور نبوت سے بھی مطلع ہیں۔

یہاں ایک خاص نکتہ بھی جاننا ضروری ہے کہ ایک جاننا ہوتا ہے جو کہ علم کا ترجمہ ہے اور ایک پہچاننا ہوتا ہے جو کہ معرفت کا ترجمہ ہے، تو اس عبارت میں قبلہ شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے (میشناسد) کا لفظ استعمال کیا ہے نہ کہ میداند کا اور معرفت حواس کے ذریعہ ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ یہ ساری اطلاع بذریعہ حواس ہے اور نور نبوت تمام حواس میں متجلی ہوتا ہے۔

اشکال ہشتم: یہ وہم ہوسکتا تھا کہ آنحضرت ﷺ صرف امت کے احوال نیک و بد پر مطلع ہیں اور نیک و بد اعمال کرنے والوں کو نہیں پہچانتے۔ مثال کے طور پر آپ یہ تو پہچانتے ہیں کہ آج فلاں فلاں اعمال نیک و بد ہوئے ہیں، لیکن یہ نہیں پہچانتے کہ یہ کس کس نے کئے ہیں؟ تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ کردیا (کہ فلاں امروز چنیں میکرد و فلانے چناں تا روز قیامت) یعنی ہر ایک نیک و بد اعمال کرنے والے کو بھی پہچانتے ہیں۔

اشکال نہم: یہ وہم ہوسکتا تھا کہ ہر نبی کی ذمہ داری اس وقت تک ہوتی ہے جب وہ اپنی امت میں ظاہری حیات کے ساتھ موجود ہو اور جب نبی اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے، تو اس کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول بیان فرمایا ہے۔

"وَكُنْتُ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ

الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ: یعنی میری ذمہ داری اس وقت تک تھی جب میں ان میں موجود تھا۔ اگر نصاریٰ نے مجھے اور میری والدہ کو الٰہ مان ہے تو یہ میرے اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچنے کے بعد ہے۔ لہٰذا اس امر کی مجھ سے پرسش سمجھ میں نہیں آتی۔ اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب نبی اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اس کے لئے امت کے احوال پر اطلاع کیوں ضروری ہے؟ تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ ہر نبی کی شہادت دو قسم کی ہے دنیاوی اور اخروی۔ دنیاوی شہادت کے لئے ضروری ہے کہ جب تک نبی اپنی امت میں ہے تو اس کے تمام احوال پر مطلع ہو اور اخروی شہادت کے لئے یہ ضروری ہے کہ نبی کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی امت کے احوال پر اپنے نور نبوت کے ساتھ مطلع رہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس اشکال کا ازالہ ان الفاظ سے کیا ہے۔

(لہٰذا شہادۃ اور دنیا بہ حکم شرع در حق امت مقبول و واجب العمل است تا روز قیامت ادائے شہادت توانند کرد)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو آیت مذکورہ بالا کا ترجمہ فرمایا اور اس کی تشریح کی، اس کے بیان میں طوالت ہوگئی، بندہ اس طوالت پر معذرت خواہ ہے۔ بات اس پر چلی ہوئی تھی کہ قرآن پاک میں آنحضرت کو شہید اور شاہد فرمایا گیا ہے تو اس کا ترجمہ محققین مترجمین نے کیا کیا ہے؟ تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ترجمہ گواہ کیا ہے۔

یہاں پر یہ جاننا ضروری ہے کہ اس ترجمہ سے حاضر و ناظر کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ گواہ کے لئے حضور اور مشاہدہ ضروری ہے۔

اب دوسرا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ آیت مذکورہ بالا کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں:

(اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ ہیں)

یہاں بھی شہید کا معنی گواہ کیا گیا ہے۔ اس ترجمہ میں فاضل بریلوی نے کئی اور علمی اشارے بھی کئے ہیں۔

اول: یہاں اشکال ہوتا ہے کہ (علیکم) یہ جار مجرور "شھیدا" کے متعلق ہے اور شہادۃ کا صلہ علیٰ ہو تو ضرر کا معنی دیتا ہے تو فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے ترجمہ میں اشارہ فرمایا کہ لفظ (علیکم) شہید کا صلہ نہیں ہے بلکہ رقیب کا صلہ ہے جس کا معنی نگہبان ہے اور یہاں شہید رقیب کے معنی کو متضمن ہے۔

دوم: فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے ترجمہ میں (یہ رسول) فرما کر اشارہ کردیا ہے کہ الرسول سے معین رسول مراد ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں، فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے ترجمہ کی یہ خصوصیت ہے کہ نفس ترجمہ میں ان اشکال کو رفع فرما دیتے ہیں، جن کو مفسرین نے طویل عبارات میں حل کیا ہے۔

اب دوسری آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

" فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا)

فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز اس کا ترجمہ یوں بیان فرماتے ہیں:

اور کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب! تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں)

اس ترجمہ میں بھی فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے دونوں جگہ پر شہید کا معنی گواہ کیا ہے۔

اب تیسری آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

(یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا . الآیۃ)

فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں:

(اے غیب کی خبریں بتانے والے نبی، بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر)

اس ترجمہ میں شاہد کا معنی حاضر و ناظر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مفردات راغب کے حوالہ سے بندہ پہلے ذکر کر چکا ہے، دوبارہ مفردات کی عبارت ملاحظہ ہو۔

"الشهود والشهادة الحضور مع المشاهدة"

یعنی شاہد، شہود سے مشتق ہے یا شہادۃ سے اور ہر ایک کا معنی ہے حضور اور مشاہدہ حضور کے معنی کے لحاظ سے شاہد کا معنی حاضر ہوگیا، مشاہدہ کے معنی کے لحاظ سے شاہد کا معنی ناظر ہوگیا۔

یہاں تک بندہ نے لغت، صرف ونحو اور محققین مترجمین کی عبارت سے یہ ثابت کیا ہے کہ شہید اور شاہد کا معنی قرآن پاک میں حاضر اور ناظر ہے۔ اب اس پر اور دلائل ملاحظہ فرمائیں:

صاحب روح المعانی نے مذکورہ بالا تیسری آیت کی تفسیر میں فرمایا:

"على من بعثت اليهم تراقب أحوالهم وتشاهد أعمالهم وتتحمل عنهم الشهادة بما صدر عنهم من التصديق والتكذيب وسائر ما هم عليه من الهدى والضلال وتؤديها يوم القيامة أداء مقبولا فى ما لهم وما عليهم"

خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں صرف (شاہدا) کا ذکر ہے اور ان لوگوں کا ذکر نہیں ہے جن کے متعلق گواہی دینی ہے۔ اس لئے صاحب روح المعانی نے فرمایا کہ آپ گواہی ان لوگوں پر دیں گے جن کی طرف آپ مبعوث کئے گئے ہیں اور ان کے احوال کی حفاظت اور اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور جو، ان لوگوں سے تصدیق یا تکذیب صادر ہوئی اس کی شہادت کے حامل ہیں اور اسی طرح امت کی ہدایت اور ضلالت پر بھی قیامت کے دن شہادت دیں گے اور شہادت مقبول ہوگی خواہ امت کے نفع کے لئے ہو یا نقصان کے لئے۔)

اب علامہ آلوسی کی عبارت کے چند نکات ملاحظہ فرمائیں۔

اول: عبارت میں احوال واعمال دونوں کا ذکر ہے، احوال کا تعلق دل سے ہے اور اعمال کا جوارح یعنی ہاتھ پاؤں سے، تو معلوم ہوا کہ امت کے دل کے احوال اور اعضاء کے اعمال، سب پر آپ کو اطلاع ہے۔

دوم: علامہ الوسی نے (تشاھد اعمالھم) فرما کر تصریح کر دی کہ آپ اس لئے شاہد ہیں کہ امت کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔ یہاں علامہ نے شاہد بمعنی ناظر کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

سوم: نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی امت دو قسم کی ہے، ایک امت دعوت یعنی جن کی طرف نبی مبعوث کیا جاتا ہے خواہ وہ ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ دوم امت اجابت یعنی وہ لوگ، جو نبی علیہ الصلوۃ والسلام پر ایمان لائے تو عبارت مذکورہ بالا میں علامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح کر دی ہے کہ جس امت کے احوال واعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور جن کے احوال واعمال پر گواہی دیں گے، وہ امت دعوت ہے نہ کہ صرف امت اجابت اور اس کی دلیل یہ ہے کہ علامہ نے اس امت کو ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ (علی من بعثت الیھم) یعنی اس امت سے مراد وہ ہیں جن کی طرف آپ مبعوث کئے گئے ہیں اور اسی کو امت دعوت کہتے ہیں۔ نیز علامہ مذکورہ نے احوال اور اعمال کی تفسیر تصدیق اور تکذیب اور ھدی اور ضلالت سے کی ہے، تو اس سے بھی معلوم ہو گیا کہ مومنوں اور کافروں سب کے احوال واعمال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اس پر قیامت کے دن گواہی دیں گے، تو اس سے بھی پتہ چلا کہ امت سے مراد امت دعوت ہے۔

اس تفسیر کے آخیر میں روح المعانی نے سادات صوفیہ کا اس بارے میں مذہب نقل کیا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

"واشار بعض السادة الصوفیة الی ان اللہ تعالی قد اطلعه ﷺ علی اعمال العباد فنظر الیھا ولذلک اطلق علیه علیه الصلوة والسلام شاھدا"

(ان سادات صوفیہ کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو تمام بندوں کے تمام اعمال پر مطلع فرما دیا ہے اور آپ نے ان سب کی طرف نظر فرمائی اور دیکھا ہے، اسی لئے قرآن پاک میں آپ پر شاہد کا اطلاق کیا گیا۔)

اب اس عبارت کے بھی چند فوائد ملاحظہ ہوں:

اول: مفسر نے اپنی تفسیر میں اعمال العباد کا ذکر فرمایا ہے، جس کا معنی تمام بندوں کے تمام اعمال ہیں، خواہ مومن ہوں خواہ کافر ہوں۔ تو معلوم ہوا کہ آپ کو مومنوں اور کافروں سب کے احوال واعمال پر اطلاع ہے۔

دوم: صوفیہ نے شاہد کی یہ وجہ ذکر کی ہے کہ آپ ان اعمال کے ناظر ہیں تو معلوم ہوا صوفیہ کے نزدیک اس آیت میں شاہد کا معنی ناظر ہے اور علامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو صوفیہ کا مذہب نقل کیا ہے، وہ بالکل مفسر کی اپنی تفسیر کے مطابق ہے جس کا ذکر ابھی کیا جا چکا ہے۔ نیز یہ ساری تقریر اس تفسیر کے بالکل مطابق ہے، جو تفسیر عزیزی سے بندہ ابتداء میں نقل کر چکا ہے۔

صاحب روح المعانی نے اپنی سابقہ عبارت میں جن بعض صوفیہ کا ذکر کیا ہے مفسر ان میں سے ایک مثال پیش کرتا ہے، عبارت ملاحظہ ہو:

"قال مولانا جلال الدین الرومی قدس سره العزیز فی مثنویه"

در نظر بودش مقامات العباد

زیں سبب نامش خدا شاہد نہاد

(یعنی مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مثنوی میں فرمایا کہ چونکہ تمام بندوں کے تمام درجات آپ کی نظر میں نہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام قرآن پاک میں شاہد فرمایا۔

اس شعر میں لفظ (مقامات العباد) اس پر دال ہے کہ مومن و کافر کی کوئی تخصیص نہیں اور احوال واعمال کی بھی کوئی تخصیص نہیں، سب کے احوال واعمال آپ

کی نظر میں ہیں۔ نیز اس شعر میں بھی شاہد نام کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ مقامات العباد (بندوں کے مقامات) آپ کی نظر میں ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ علامہ رومی کے نزدیک بھی شاہد کا معنیٰ ناظر ہے۔

نیز اس شعر میں ایک اور خاص نکتہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ لفظ (بود) ماضی کا صیغہ ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ماضی میں مقامات العباد آپ کی نظر میں تھے یعنی جب کہ عباد اور ان کے اعمال وجود میں بھی نہیں آئے تھے، اس وقت بھی آپ کی نظر سے پوشیدہ نہیں تھے یعنی جب بندہ کوئی عمل کرتا ہے تو صرف اسی وقت آنحضرت ﷺ کو اس کا علم نہیں ہوتا بلکہ عمل کرنے سے پہلے بھی مقامات العباد آپ کی نظر میں ہیں۔

ان سب عبارات سے بندہ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو حاضر و ناظر کہنا جائز ہے، جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے:

شفاء قاضی عیاض اور اس کی شرح ملا علی قاری میں ہے۔

"وقال عمر و بن دينار) هو أبو محمد مولى قيس مكي امام يروى عن ابن عباس وابن عمرو جابر وعنه شعبة وسفيانان و حماد ان وهو عالم حجة اخرج له الا ئمة الستة (في قوله) اى الله سبحانه (فاذا دخلتم بيوتا) بضم الباء وكسر ها (فسلّموا على أنفسكم) اى على اهليكم (تحية من عند الله مباركة طيبة) قال اى ابن دينار وهو من كبار التابعين المكيين وفقها ئهم (ان لم يكن فى البيت احد فقل السلام على النبّى ورحمة الله وبر كاته) اى لأ ن روحه عليه السلام حاضر فى بيوت أهل الا سلام"

(اس عربی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرو بن دینار جو کہ تابعی اور ابن عباس اور ابن عمر اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شاگرد ہیں اور بڑے بڑے آئمہ صحاح ستہ کے مصنفین ان سے روایت کرتے ہیں اور مکہ شریف کے تابعین اور فقہاء

سے درجہ کے لحاظ سے بڑے ہیں۔ مذکورہ بالا آیت (فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جب تم اپنے گھروں میں جاؤ تو اپنے اہل وعیال کو سلام کرو اور اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو یہ کہو کہ السلام علی النبی ورحمته الله و بر كاته.

علامہ علی قاری اس سلام کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی روح تمام مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہوتی ہے، لہذا یہ سلام اس روح پر ہے، اس عبارت میں علامہ علی قاری نے آنحضرت ﷺ پر لفظ (حاضر) کا اطلاق کیا ہے، جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ آپ حاضر ہیں)

اس عبارت سے بندہ صرف یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ علمائے محدثین نے آپ کو حاضر کہا ہے اور حاضر کا آپ پر اطلاق کیا ہے، جو کہ شاہد اور شہید کا معنی ہے جس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

اگرچہ اس عبارت سے جو بندہ کا مقصد ہے وہ تو پورا ہو گیا، لیکن بعض منکرین خلط مبحث کے لئے اس عبارت کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ عبارت میں تو بیوت اہل اسلام کی تخصیص ہے، پھر ہر جگہ حاضر ہونا کیسا ثابت ہے؟ جیسا کہ اہل سنت کہتے ہیں تو اس سوال کے چند جواب ملاحظہ ہوں:

جواب اول: اس عبارت میں بیوت اہل اسلام کی قید اتفاقی ہے، احترازی نہیں کیونکہ آیت شریف میں بیوت کا ذکر ہے اور دخلتم میں مخاطبین مسلمان ہیں اور چونکہ تفسیر آیت مذکورہ کی ہو رہی ہے، اس وجہ سے بیوت اہل اسلام کا ذکر کیا گیا ہے۔

جواب دوم: اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو قرآن پاک میں شاہد اور شہید فرمایا، اور جس کا معنی بندہ حاضر اور ناظر ثابت کر چکا ہے، اس میں کسی زمان اور مکان کی تخصیص نہیں ہے، تو کسی مصنف کی عبارت میں تخصیص قرآن پاک کے عموم کو باطل نہیں کر سکتی۔ لہذا بیوت اہل اسلام کی تخصیص اتفاقی ہی ہوگی۔

جواب سوم: شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز التحیات کے اس جملہ "السلام علیک یاایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"بعض از عرفاء گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات وافراد ممکنات پس آنحضرت ﷺ در ذات مصلیاں موجود وحاضر است، پس مصلی باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نبود، تابانوار قرب واسرار معرفت متنور فائز گردد"

(اس عبارت میں شیخ محقق نے عرفاء کا یہ مذہب نقل فرمایا کہ تمام موجودات وممکنات میں حقیقت محمدیہ کا سرایت کئے ہوئے ہے اور وہ سب میں موجود اور حاضر ہے، تو نماز پڑھنے والے کو اس حضور سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اس کا تصور کرنا چاہیے تاکہ اس قرب اور معرفت سے وہ متنور اور بہرہ ور ہوجائے۔

شیخ کی اس عبارت سے کئی امور ثابت ہوئے:

اول: آپ پر حاضر کا اطلاق جائز ہے۔

دوم: آپ تمام موجودات وممکنات میں موجود وحاضر ہیں، تو ثابت ہوا کہ علی قاری کی عبارت میں بیوت اہل الاسلام کی قید اتفاقی ہے۔

سوم: جو شخص اس شہود کا منکر ہے، اس کو انوار قرب اور الراء معرفت سے کوئی حصہ نہیں ہے۔

یہاں تک اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ حاضر ہیں اور قرآن پاک اور علمائے امت نے آپ کو حاضر کہا ہے، اب آپ کے ناظر ہونے پر مزید دلائل ملاحظہ ہوں:

مواہب لدنیہ میں ہے:

"أخرج الطبرانی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ قد رفع لی الدنیا فأنا انظر الیہا والی ما ہو کائن فیہا الی یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی ہذا"

خلاصہ ترجمہ حدیث شریف کا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا کو میرے سامنے رکھ دیا ہے اور میں اس کی طرف اور جو کچھ اس میں ہونے والا ہے" کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسا کہ میں اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں"

اب اس حدیث کے فوائد ملاحظہ ہوں۔

اول: تمام دنیا اور جو کچھ اس میں ہونے والا ہے قیامت تک آنحضرت ﷺ اس کو اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسا کہ آدمی اپنی ہتھیلی اپنے سامنے کردے تو وہ آدمی اپنی ہتھیلی اور اس پر ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ تو یہاں سے آپ کا ناظر ہونا ثابت ہوگیا ہے۔

دوم: علم بلاغت کا قاعدہ ہے کہ مقام جملہ فعلیہ کا ہو اور وہاں جملہ اسمیہ لایا جائے تو یہ دوام کا فائدہ دیتا ہے۔ اب اگر جملہ اسمیہ کی خبر اسم ہو تو دوام ثبات مراد لیا جاتا ہے اور اگر جملہ اسمیہ میں جو خبر ہے وہ فعل مضارع ہو تو دوام تجدد مراد ہوتا ہے دوام کی ان دونوں قسموں میں فرق بعد میں آئے گا، اس جگہ حدیث میں بھی مقام جملہ فعلیہ کا تھا لیکن جملہ اسمیہ لایا گیا ہے۔ جس کی خبر فعل مضارع ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ اول حدیث میں فرمایا گیا (قد رفع لی الدنیا) یہ جملہ فعلیہ ہے اس کا تقاضا یہ تھا کہ بعد میں یہ فرمایا جاتا (فنظرت الیہا) لیکن اس کی جگہ فرمایا گیا (فانا انظر الیہا) یہ جملہ اسمیہ ہے جس کی خبر فعل مضارع ہے جو کہ دوام تجدد کا فائدہ دیتا ہے تو اس سے آپ کا مقصد یہ ہے کہ میں ہمیشہ دنیا اور مافیہا کی طرف دیکھ رہا ہوں اگر اس جملہ کی جگہ (فنظرت الیہا) ہوتا تو یہ وہم ہوسکتا تھا کہ آپ نے صرف ایک دفعہ ان کا ملاحظہ کیا ہے، ہمیشہ نہیں تو جملہ اسمیہ ذکر فرما کر اس وہم کو رفع کردیا۔

فائدہ سوم: آنحضرت ﷺ کائنات کے موجود ہونے سے پہلے اس کو ملاحظہ فرما رہے ہیں جیسا کہ مولانا روم کے شعر کی تشریح میں گزر چکا ہے شعر دوبارہ ملاحظہ ہو۔

در نظر بودش مقامات العباد
زیں سبب نامش خدا شاہد نہاد

اب ذرا دوام ثبات اور دوام تجدد میں فرق ملاحظہ کریں:

دوام ثبات اس کو کہا جاتا ہے کہ کسی شے کا اس طرح دوام ہو کہ وہاں انقطاع بالفعل بالکل نہ ہو۔ اس کی پھر دو قسم ہیں، ایک قسم یہ ہے کہ انقطاع بالفعل تو نہیں ہے لیکن عقلاً انقطاع ممکن ہے، یعنی اگر آسمان حرکت نہ کرے تو اس میں کوئی عقلی استحالہ نہیں ہے۔ دوسری قسم دوام اثبات کی یہ ہے کہ بالفعل انقطاع نہیں ہے اس کے باوجود انقطاع عقلاً محال ہے، جسے اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کی صفات کہ ان کا اللہ تعالیٰ سے نہ تو انقطاع بالفعل ہے اور نہ ہی انقطاع ممکن ہے بلکہ انقطاع محال ہے یہ قسم یعنی دوام اثبات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے، کسی ممکن میں نہیں پائی جاتی خواہ وہ ممکن نبی ہو یا ولی یا فرشتہ وغیرہ۔

یہاں تک دوام اثبات اور اس کی دو قسموں کا ذکر آ گیا ہے، اب دوام تجدد کا معنی ملاحظہ ہو:

دوام تجدد یہ ہے کہ کسی چیز کا دوام تو ہو، لیکن یہ دوام وقفہ وقفہ سے ہو اور درمیان میں کچھ دیر کے لئے انقطاع بھی ہوتا رہے، یہ دوام انبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مختص ہے اور اللہ تعالیٰ میں ہرگز نہیں پایا جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ میں یہ دوام تجدد محال ہے، اس دوام تجدد کی ایک مثال ملاحظہ ہو، مثلاً ہمارے محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ فلاح آدمی ہمیشہ گندم کی روٹی اور گوشت کھاتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ ہر وقت کھاتا ہی رہتا ہے، بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ ایک وقت میں کھاتا ہے پھر کھانا منقطع کر دیتا ہے پھر دوسرے وقت میں روٹی اور گوشت کھاتا ہے، تو آنحضرت ﷺ نے جو حدیث مذکورہ بالا میں یہ فرمایا" فأنا انظر الیھا والیٰ ما ھو کائن فیھا الی یوم القیامة الحدیث

تو اس حدیث شریف میں اسی دوام تجدد کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور حقیقت بھی اسی طرح ہے کہ جب سرور دو عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتے ہیں تو کسی

چیز کی طرف التفات نہیں ہوتا، حتی کہ اپنے بدن شریف کی طرف بھی توجہ نہیں ہوتی یہی اس مشہور حدیث شریف کا مطلب ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

" لی مع اللہ وقت یسعنی فیه ملک مقرب ولا نبی مرسل او کما قال علیه الصلوة والسلام"

یہاں ایک اور نکتہ بھی ملاحظہ ہو:

میرے حضرت جناب سیدی مولائی حضرت اعلیٰ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ العزیز نے اپنی بعض تصنیفات میں فرمایا ہے کہ دوام ثبات اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، اس دوام اثبات سے وہی مراد ہے جس کا انقطاع محال ہے۔

بعض ناواقف لوگوں کو اس عبارت سے دھوکہ ہوتا ہے کہ جب دوام اثبات اللہ تعالیٰ جل شانہ کا خاصہ ہے، تو نبی علیہ السلام میں کیسا دوام پایا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب واضح ہے کہ نبی علیہ السلام کے علم میں دوام تجدد ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں دوام اثبات ہے جس کا انقطاع اور انفکاک محال ہے۔ بندہ نے یہ نکتہ اس لئے ذکر کیا ہے کہ ایک مولوی صاحب نے حضرت اعلیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس عبارت پر اعتراض کیا تھا، اور بندہ نے اس کا یہی جواب دیا۔ بندہ حدیث شریف طبرانی کے (جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے) فوائد بیان کر رہا تھا، اس ضمن میں فائدہ سوم میں ذرا طوالت ہوگئی ہے۔

اب حدیث شریف کا فائدہ چہارم ملاحظہ ہو:

فائدہ چہارم: سرکار مدینہ ﷺ نے اس حدیث شریف میں فرمایا (کانما انظر الی کفی ھذا) اس سے معلوم ہوا کہ تمام کائنات قیامت تک آنحضرت ﷺ کے سامنے اس طرح ہے جیسے کہ کسی کے سامنے ہتھیلی ہو، جس ذات کے سامنے ساری دنیا ہتھیلی کی طرح ہو اور اس کو نہ تو کسی طرف آنے جانے کی ضرورت ہے اور نہ متعدد ہونے کی ضرورت ہے، بلکہ وہ ایک جگہ ہی تشریف فرما کر سارے عالم کا مشاہدہ فرماتے ہیں، تو آپ کے حاضر و ناظر ہونے کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے کہ آپ اپنے مقام اعلیٰ اور

ارفع میں تشریف فرما ہیں اور تمام عالم ہتھیلی کی طرح آپ کے سامنے حاضر ہے۔

حاضر وناظر کے مسئلہ میں یہ عقیدہ غلط ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات مقدسہ متعدد ہو جاتی ہے اور متعدد میں سے ہر ایک آپ کا عین ہے، اس عقیدہ میں کئی قباحتیں ہیں، ایک تو یہ کہ مستند کتب میں تصریح ہے کہ تعدد مغائرت کو مستلزم ہے اور اتحاد اور تعدد دونوں اکٹھے متصور نہیں ہو سکتے، تو اب خرابی یہ لازم آئے گی کہ خاتم النبیین متعدد اور مغائر ہو گئے حالانکہ خاتم النبیین صرف ایک جزئی حقیقی ہے جس کا نام محمد ﷺ ہے۔

دوسری خرابی یہ ہوگی کہ ایک عورت کے بہت سے خاوند ہو گئے۔

تیسری خرابی یہ ہوگی کہ تکثر جزئی لازم آئے گا، جو کہ عقلاً محال ہے۔

چوتھی خرابی یہ ہوگی کہ منکرین حاضر وناظر یہ گستاخی کرتے ہیں کہ جب آپ ہر جگہ حاضر وناظر ہیں، تو جس جگہ ہم کھڑے ہیں یہ بھی تو ایک جگہ ہے اور یہاں بھی آپ حاضر ہوں گے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اس جگہ پر تو ہمارے قدم ہیں، نیز بیت الخلاء بھی تو ایک جگہ ہے یہاں بھی آپ حاضر ہوں گے؟ نعوذ باللہ من ھذا لخرافات تو بندہ نے جو حاضر وناظر کی حدیث شریف کے مطابق تحقیق کی ہے، اس سے ان خرافات کا قلع قمع ہو جاتا ہے، دیوبندی مکتب فکر کے عالم مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنے ایک رسالہ میں مجلس میلاد سرکار دو عالم ﷺ کے جلوہ افروز ہونے پر ایک منطقی اعتراض کیا ہے، اس کا جواب بھی مذکور بالا حدیث شریف سے واضح ہو گیا ہے۔

مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کا سوال یہ ہے کہ اہل سنت کا جو یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مجلس میلاد میں تشریف فرما ہوتے ہیں، تو آیا ہر مجلس میں تشریف فرما ہوتے ہیں یا بعض میں؟ پہلی صورت میں تکثر جزئی لازم آئے گا اور دوسری صورت میں ترجیح بلا مرجح، اور دونوں باطل ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ سب مجالس میں تشریف فرما ہوتے ہیں اور تکثر

جزئی لازم نہیں آتا کیونکہ تمام مجالس میلاد آپ کے سامنے ہتھیلی کی طرح حاضر ہیں لہٰذا تعدد کی ضرورت نہیں ہے۔ مولوی اشرف علی تھانوی صاحب پر لازم تھا کہ پہلے اہل سنت کا عقیدہ معلوم کرتے اور اس کے بعد اس پر اعتراض کرتے۔ جیسا کہ مناظرہ کا طریقہ ہے۔

مجالس میلاد میں جو لوگ حاضر ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں لیکن آنحضرت ﷺ جو سب کو دیکھ رہے ہیں تو وہ زیادہ قریب ہیں، بہ نسبت حاضرین کے جو ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں، کیونکہ آپ کا ملاحظہ فرمانا اسی طرح ہے جیسا ہتھیلی کی طرف دیکھنا ہو تو ہر بندے کی ہتھیلی دوسرے بندے کے لحاظ سے زیادہ قریب ہے، تو جس ذات کو دیکھنا حاضرین مجلس سے زیادہ قریب ہو، اس کو متعدد ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

یہاں بندہ نے حاضر وناظر کی ذرا تفصیل بیان کر دی ہے تا کہ اہل سنت کو صحیح عقیدہ معلوم ہو، یہاں ضمناً ایک اور فائدہ بھی ملاحظہ ہو کہ ایک تکثر جزئی ہے اور یہ عقلاً محال ہے اور دوسرا تمثل جزئی ہے اور یہ جائز ہے۔ تمثل جزئی کا یہ مطلب ہے کہ جزئی حقیقی صرف ایک ہے اور اس کی مثالیں متعدد ہیں جو کہ اس کے مغائر ہیں چونکہ ان کے درمیان نہایت درجہ کی مشابہت ہے اس لئے دیکھنے والا ہر ایک مثال کو یہ سمجھتا ہے کہ وہی جزئی حقیقی ہے۔ یہ چیز بندہ نے اس لئے ذکر کی ہے کہ بعض اولیاء کرام کے متعلق کتابوں میں آیا ہے کہ وہ ایک وقت میں متعدد جگہ پر دیکھے گئے۔ چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کتب فقہ میں ہے کہ انہوں نے حج کا زاد سفر کسی محتاج کو عطا کر دیا اور خود حج پر نہیں گئے تھے، لیکن لوگوں نے مکہ مکرمہ میں ان کو حج میں شامل دیکھا، تو یہ تمثل جزئی ہے، یعنی حضرت شیخ تو گھر میں ہی تشریف فرما تھے اور حج پر نہیں گئے لیکن فرشتے نے ان کی شکل میں حج ادا کیا۔

فائدہ پنجم: قرآن کریم میں ہے، (ملک الموت الذی وکل بکم) یعنی

ایک فرشتہ ملک الموت ہے، جو ارواح کے قبض کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا
ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ ساری دنیا ملک الموت کے سامنے
اس طرح ہے جیسے ایک آدمی کے سامنے تھالی پڑی ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک
الموت، جو ایک وقت میں کئی ارواح مختلف جگہوں سے قبض کرتا ہے سو اس کو بھی متعدد
ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ایک جگہ بیٹھے سب جگہوں سے ارواح کو قبض کر لیتا ہے
،غور فرمائیں کہ آنحضرت ﷺ کا علمی رتبہ ملک الموت سے زیادہ ہے، اسی لئے حدیث
شریف میں فرق کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ تمام کائنات قیامت تک
آپ کے سامنے ہتھیلی کی طرح ہے اور ساری زمین ملک الموت کے سامنے تھالی کی
طرح ہے اور تھالی کی سطح ہتھیلی کی سطح سے فراخ ہوتی ہے، تو ساری زمین ملک الموت
کے سامنے ذرا وسیع معلوم ہوتی ہے اور تمام کائنات کی وسعت نبی اکرم ﷺ کے
سامنے اس سے کم ہے۔

قبل ازیں ابتداء میں شاہد اور شہید کی تحقیق میں گزر چکا ہے کہ تمام امت
کے احوال اور اعمال کا آنحضرت ﷺ مشاہدہ فرماتے ہیں اور ان احوال و اعمال پر
آپ کو اطلاع ہے اور صرف آپ احوال و اعمال پر ہی مطلع نہیں ہیں بلکہ عاملین یعنی
عمل کرنے والوں کو بھی جانتے ہیں جب ہی قیامت میں گواہی دیں گے کیونکہ اگر
شاہد عامل کو نہیں جانتا تو اس پر کیسے گواہی دے سکتا ہے؟ اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ وہ
عاملین خواہ آپ کے زمانہ میں تھے یا قیامت تک جو آنے والے ہیں، سب پر آپ کو
اطلاع ہے اور اس مسئلہ کو علماء کی اصطلاح میں (عرض اعمال) کا مسئلہ کہا جاتا ہے
اور یہ مسئلہ بڑا معرکۃ الآراء ہے۔

بندہ نے اوپر ذکر کیا ہے کہ یہ اہل سنت کا مذہب ہے اور جو لوگ اس کے منکر
ہیں تو ان کے کئی گروہ ہیں۔ ایک گروہ تو وہ ہے جو سرے سے عرض اعمال کا منکر ہے اور
دوسرا گروہ کہتا ہے کہ جو لوگ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تھے ان کے احوال و اعمال

پر تو آپ کو اطلاع ہے، لیکن آپ کے بعد آنے والے زمانہ کے لوگوں کی آپ کو اطلاع
نہیں ہے۔ ایک تیسرا گروہ ہے، جس کا یہ خیال ہے کہ مسلمانوں کے احوال و اعمال پر تو
آپ کو اطلاع ہے اور کفار و منافقین کے احوال و اعمال پر اطلاع نہیں ہے، ان لوگوں کو
اپنے خیال پر دلائل قائم کرنے میں شدید دھوکے لگے ہیں، اگرچہ بعض ان میں سے
اچھے خاصے مفسر اور محدث ہیں۔ اس لئے عرض اعمال پر یہاں ایک اور حدیث شریف
پیش کی جاتی ہے، اس حدیث شریف سے آپ کا حاضر ناظر ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے
جو کہ بندہ کا اصلی مقصد ہے۔ یہ حدیث شریف علامہ ابن حجر عسقلانی نے شرح بخاری
میں آیت مندرجہ ذیل کی تفسیر میں نقل کی ہے۔ آیت شریفہ یہ ہے (فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا
مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَابِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا) اس آیت شریفہ کے
تحت علامہ ابن حجر نے پہلے ایک حدیث نقل فرمائی ہے۔ جس کے راوی محمد بن فضالہ
ہیں۔ اس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں پر قیامت
کے دن گواہی دیں گے جو آپ کے زمانہ میں تھے، اس اشکال کو رفع کرنے کے لئے
علامہ ابن حجر نے ایک اور حدیث نقل فرمائی ہے حدیث شریف ملاحظہ ہو: " واخرج
ابن المبارک فی الزهد من طریق سعید بن المسیب قال لیس من یوم
الا یعرض علی النبی ﷺ امة غدوة وعشیة فیعرفهم بسیماهم
وأعمالهم فلذلک یشهد علیهم " یہاں تک حدیث شریف کے الفاظ ہیں۔
اس کے بعد علامہ ابن حجر اپنی طرف سے ذکر فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔
(ففی هذا المرسل ما یرفع الاشکال الذی تضمنه حدیث ابن
فضالة) یعنی محمد ابن فضالہ کی گزشتہ حدیث سے جو یہ اشکال ہوتا تھا کہ آنحضرت ﷺ
کے وصال کے بعد قیامت تک جو امت آنے والی ہے ان پر آپ گواہ نہیں ہونگے،
اس دوسری حدیث سے جو کہ مرسل ہے وہ اشکال رفع ہو گیا، کیونکہ اس حدیث کا
خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ہر صبح شام ساری امت آپ پر پیش کی جاتی ہے اور آپ ہر

ایک کو اس کی شکل و شباہت اور وضع وقطع اور دوسری علامات سے نیز ان کے اعمال
سے پہچانتے ہیں لہذا قیامت تک جو امت آنے والی ہے، سب کے لئے شہید اور
حاضر وناظر ہیں۔

اب اسی حدیث شریف کے چند فوائد ملاحظہ ہوں:

اول: نبی اکرم ﷺ امت کے صرف اعمال پر ہی مطلع نہیں ہیں اور صرف اعمال کی
وجہ سے ہی امت کو نہیں پہچانتے بلکہ شکل وشباہت اور علامات سے بھی ہر امتی کو
پہچانتے ہیں اور قیامت میں ہر ایک کو پہچان کر اس کے اعمال پر گواہی دیں گے۔

فائدہ دوم: اس حدیث شریف میں بھی یہ لفظ ہے (فیعرفهم) جو کہ معرفت سے
مشتق ہے اور معرفت کا معنی پیچھے گزر چکا ہے کہ معرفت اس ادراک کو کہتے ہیں جو
حواس کے ذریعہ سے حاصل ہو۔ اس جگہ (فیعلمهم) کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا تا کہ
یہ وہم نہ ہو کہ یہ معرفت وحی کے ذریعہ سے یا فرشتوں کی اطلاع کی وجہ سے ہوتی ہے،
بلکہ یہ معرفت وحی اور ملائکہ کے واسطے کے بغیر حاصل ہوتی ہے، چونکہ معرفت حواس کے
ذریعے سے ہوتی ہے، لہذا آپ کا ناظر ہونا بھی حواس کے ذریعے سے ثابت ہو گیا۔

حاضر اور ناظر پر اور بھی دلائل ہیں جو کہ مواہب لدنیہ اور دیگر کتب سیرت
میں مذکور ہیں، لیکن طوالت کے خوف سے بندہ اسی پر اکتفا کرتا ہے، اس کے بعد بندہ
منکرین کے چند اشکالات نقل کرتا ہے جو کہ آپ کے حاضر ناظر ہونے کے خلاف کئے
جاتے ہیں۔

اشکال اول: منکرین یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ بھی حاضر ناظر ہے اگر آپ
بھی حاضر ناظر ہوں تو شرک لازم آئے گا۔ تو اس کے کئی جواب ہیں لیکن ان جوابات
میں پورا غور کرنا پڑے گا۔ تب سمجھ آئیں گے کیونکہ اس میں علم لغت اور علم کلام کا بہت
دخل ہے۔

جواب اول: اللہ تعالیٰ جل شانہ کے اسماء توفیقی اور شرع شریف پر موقوف ہیں یعنی

اللہ تعالیٰ پر اسی اسم کا اطلاق کر سکتے ہیں جو قرآن اور حدیث میں ہے اور جو اسم قرآن و
حدیث میں نہیں آیا اس اسم کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں جو اللہ تعالیٰ کے جو اسماء
قرآن وحدیث میں ہیں، ان میں کہیں حاضر وناظر نہیں ہے تو اس صورت میں شرک
کیسے لازم آئے گا؟

اس مسئلہ پر کتب کلام سے دلیل ملاحظہ ہو۔ فاضل لاہوری مولانا عبدالحکیم
سیالکوٹی رحمہ اللہ حاشیہ خیالی میں شرح مواقف سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اعلم أنه لا كلام في جواز اطلاق أسماء الا علام الموضوعة في
اللغات له بل انما النزاع في الأسماء الماخوذه من الصفات والا فعال
فذهب المعتزلة والكرامية الى أنه اذا دل العقل على اتصافه تعالىٰ
بصفة وجودية او سلبية جاز أن يطلق عليه تعالىٰ اسم يدل على اتصافه
تعالىٰ بها سواء ورد بذالک اذن الشرع أو لاد كذا الحال في الا فعال
وقال القاضي ابو بكر منا كل لفظ دل على معنى ثابت فيه جاز اطلاقه
عليه بلا توقيف اذا لم يكن موهما بما لا يليق بذاته تعالىٰ وقد يقال لا
بد مع نفي ذلک الا يهام من الا شعار بالتعظيم حتى يصح الا طلاق
بلا توقف وذهب الشيخ ومتابعوه الى أنه لا بد من التوقيف وهو
المختار و ذلک الا حتياط احتراز عما يوهم باطلا، لعظم الخطر في
ذلک فلا يجوز الا كتفاء في عدم ايهام الباطل بمبلغ ادراكنا بل لا بد
من الا سناد الى اذن الشرع كذا في شرح المواقف"

"خلاصہ اس طویل عبارت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء دو قسم کے ہیں، اول جو صفات
اور افعال سے مشتق ہیں جیسا کہ علیم وقدیر وسمیع وبصیر وحیی ومتکلم وخالق ورازق ومحیی
وممیت ومعز ومذل۔ قسم اول یعنی علم، یہ شرع پر موقوف نہیں ہے ہر شخص اپنی لغت میں علم
وضع کر سکتا ہے، جیسے فارسی والے خدا کہتے ہیں اور انگریزی زبان میں گاڈ اور بو

دوسرے قسم کے اسماء صفات ہیں ان میں شیخ ابوالحسن اشعری جوکہ علم کلام میں اہل سنت کے امام ہیں، ان کا مذہب یہ ہے کہ یہ اسماء توقیفی ہیں، یعنی سماع شرع پر موقوف ہیں جن اسماء صفات کا ذکر قرآن وحدیث میں ہے صرف ان ہی کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہے ہم اپنی طرف سے اپنے علم کے مطابق کسی نام کا اطلاق نہیں کر سکتے، کیونکہ ہم تو اپنے علم کے مطابق یہ خیال کریں گے کہ اس اسم میں کمال فضیلت ہے اور کسی باطل کا شبہ نہیں ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ واقع میں ہم کو غلطی واقع ہوگئی اور اس اسم میں سوء ادبی اور بطلان ہو۔ لہذا ہر اسم کے لئے اذن شرع ضروری ہے، بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جو اسم شرع شریف میں وارد ہوا ہے اس کا مترادف اور ہم معنی اللہ تعالیٰ پر اطلاق کر سکتے ہیں۔ شیخ اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی غلط قرار دیا ہے کہ ترادف ہمارے علم کے مطابق ہوگا یعنی ہم سمجھتے ہیں کہ یہ دو لفظ مترادف ہیں ہوسکتا ہے کہ مترادف نہ ہوں اور جس کو ہم مترادف سمجھ رہے ہوں اس میں کسی نقص کا وہم ہو اور یہ مقام بڑا عظیم الشان ہے کیونکہ کلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ہے جو کہ بہت ہی مبرا، منزہ، مقدس ذات ہے تو اس میں احتیاط یہی ہے لہذا اللہ تعالیٰ کے اسماء میں اپنے علم پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔)

کتب کلام میں اس کی کئی مثالیں دی گئی ہیں مثلاً جواد اور سخی مترادف ہیں اور عالم اور عارف اور فقیہ اور عاقل یہ مترادف ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ پر ان میں سے صرف جواد اور عالم کا اطلاق جائز ہے جو کہ شرع شریف میں وارد ہے، سخی اور عارف اور فقیہ اور عاقل کا اطلاق ناجائز ہے اس پر مزید دلیل ملاحظہ ہو:

"اذلا نسلم أن الا ذن بالشیی اذن بمرادفه ولا زمه لا حتمال أن یکون ذلک المرادف والازم موهمین للنقص ولا یجوز الا کتفاء فی عدم ایهام الباطل بمبلغ ادرا کنا لا حتمال عدم اطلاعنا علی وجه ایهام فالتوقف واجب احتیاطاً لعظم الخطر فی ذلک کما هو مذهب

الشیخ الا شعری وتا بعیه"

"اس عبارت میں فاضل محشی نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو مرادف کے اطلاق کے قائل ہیں۔ خلاصہ رد کا یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ایک شے کا اذن دیا ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے مترادف اور لازم کا بھی علم ہو، کیونکہ ترادف اور لزوم کا مدار ہمارے علم پر ہے اور ہوسکتا ہے کہ ہمارے علم میں غلطی واقع ہوئی ہو اور واقع میں لزوم اور ترادف نہ ہو، کیونکہ کلام اللہ تعالیٰ کے اسماء مقدسہ میں ہے لہذا احتیاط واجب اور ضروری ہے، البتہ قاضی ابوبکر باقلانی جو کہ علماء اہلسنت میں سے ہیں ان کا مذہب یہ ہے کہ اگر ہم سمجھتے ہیں کہ یہ معنی ذات باری تعالیٰ میں پایا گیا ہے تو اس معنی پر جو لفظ دال ہو اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر کر سکتے ہیں اگر وہ لفظ شرع شریف میں وارد نہ ہو لیکن قاضی ابوبکر کے نزدیک اس لفظ کے اطلاق کے لئے دو شرطیں ہیں۔ اول یہ کہ اس میں کسی خرابی کا وہم نہ ہو:

دوسرا یہ کہ وہ لفظ **مشعر بالتعظیم** ہو یعنی اس سے تعظیم ظاہر ہوتی ہو۔

اس ساری تحقیق کے بعد یہ ثابت ہوا کہ حاضر ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن وحدیث میں کہیں اس لفظ کا طلاق نہیں ہے اور اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ ہر دو لفظ ان الفاظ کے مترادف ہیں جو شرع شریف میں وارد ہیں تو یہ قول بھی باطل ہے اس کی دلیل گزر چکی ہے۔ لہذا شیخ اشعری رحمہ اللہ علیہ کے مطابق حاضر و ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ناجائز ٹھہرا ہے۔ اور قاضی ابوبکر باقلانی کے مذہب پر بھی ناظر کا اطلاق منع ہے کیونکہ اس میں نقص کا وہم ہے اور یہ نقص بندہ دوسرے جواب میں تفصیل سے ذکر کرے گا۔

جواب دوم: یہاں بندہ ایک لغوی بحث پیش کرے گا، جس سے ثابت ہوگا کہ ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر منع ہے اور اس میں نقص کا قوی وہم ہے۔

مقامات کے حاشیہ میں ہے:

"اعلم أن الرؤية ادراک المرئی والنظر هو الاقبال بالبصر نحو المرئی ولذلک قد ینظر ولا یراه ومنه لا یقال لله ناظر"

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ ایک رویت ہے اور دوسری نظر ہے۔ رویت نظر کو لازم نہیں کیونکہ رویت کا معنی ادراک المرئی یعنی کسی شے کو دیکھ لینا اور نظر کا معنی ہماری زبان میں دیکھنا ہے اور ظاہر ہے کہ دیکھنے کو دیکھ لینا لازم نہیں ہے اس لئے کہا جاتا ہے قد ینظر ولا یراہ یعنی فلاں نے دیکھا تو تھا لیکن وہ شے نظر نہ آئی اب اگر ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کریں گے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ بھی بعض چیزوں کی طرف دیکھتا ہے، لیکن وہ چیز نظر نہیں آتی اور اس میں شدید قبح ہے۔ نعوذ بالله من هذه القبائح. اس لئے محشی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ناظر نہ کہا جائے۔

قارئین! بندہ نے جو یہ حاشیہ مقامات کی عبارت نقل کی ہے، یہ عبارت علماء دیوبند کے سرخیل مولوی محمد ادریس کاندھلوی کی ہے تو معلوم ہوا کہ دیوبندی مکتب فکر کے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ کو ناظر کہنا منع ہے۔

اب اس تحقیق سے ایک تو یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا نام ناظر نہیں ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ قاضی ابوبکر باقلانی کے نزدیک بھی ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر منع ہے کیونکہ اس میں شدید نقص ہے۔

فائدہ مہمہ: یہاں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ بندہ نے جو ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بعینہ ان اسماء کا شرع شریف میں وارد ہونا ضروری ہے، مثلاً اگر نظر یا ینظر شرع شریف میں آجائے اور اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو اس سے ناظر کہنا جائز نہیں ہوگا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے (وعلم آدم الاسماء کلها) اب اس میں علم کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے لیکن علامہ بیضاوی نے تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلم نہیں کہہ سکتے بیضاوی کی عبارت ملاحظہ ہو: (وان التعلیم یصح اسناده الی الله تعالیٰ وان لم یصح اطلاق المعلم علیه) یعنی

اگرچہ تعلیم کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف صحیح ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو معلم نہیں کہہ سکتے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گاہے گاہے نفس فعل کے معنی میں کوئی نقصان نہیں ہوتا لیکن جب اس سے اسم مشتق کیا جاتا ہے، تو اس میں نقصان آجاتا ہے۔

بندہ نے یہ اس لئے ذکر کیا ہے کہ بعض لوگ افعال کے اطلاق سے اسم کے اطلاق پر دلیل پکڑتے ہیں۔ یعنی اگر شرع شریف میں نظر ینظر واقع ہو تو اسے ناظر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فاضل لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حاشیہ خیالی میں فرمایا

"کون الماخذ صفة لله تعالیٰ لا یدل علی صحة اطلاق المشتق علی الله لان الاطلاق موقوف علی الاذن الشرعی" مطلب عبارت کا یہ ہے کہ اگر مصدر اللہ تعالیٰ کی صفت ہو، تو ضروری نہیں کہ اس مصدر سے اسم کا صیغہ مشتق کر کے اللہ تعالیٰ پر اطلاق کیا جائے۔

جواب سوم: اگر بالفرض والتقدیر حاضر و ناظر اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ہو تو پھر جب کہ کئی دوسرے اسماء الٰہیہ کا اطلاق نبی علیہ السلام پر ہوتا ہے، اگر حاضر و ناظر کا اطلاق آپ پر ہو جائے، تو اس میں کیا حرج ہے؟ مثلاً شاہد، شہید، رؤف ورحیم ان چاروں کا اطلاق آنحضرت ﷺ پر آگیا ہے، حالانکہ یہ اسماء الٰہیہ میں سے ہیں۔ دراصل منکرین کو اللہ تعالیٰ کی صفات اور بندے کی صفات میں فرق کا علم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا اطلاق جو بندے پر ہو جاتا ہے تو یہ صرف لفظی اشتراک ہے، ان کے معانی میں زمین و آسمان سے زیادہ فرق ہے شاید منکرین اللہ تعالیٰ کی صفات اپنے جیسی سمجھتے ہیں، اس لئے ان کے پیٹ میں شرک کا درد اٹھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور بندے کی صفات کے درمیان فرق ملاحظہ ہو، شرح عقائد میں ہے:

"لا یشبهه شئ ای لا یماثله، أما اذا أرید بالمماثلة الاتحاد فی الحقیقة فظاهر أمّا اذا أرید بها کون الشیئین بحیث یسد أحدهما

مسد الآ خر ای یصلح کل منهما لما یصلح له الآ خر فلأن شیئا من الموجودات لا یسد مسده فی شیئی من الا وصاف فان اوصافه من العلم والقدرة وغیر ذلک أجل وأعلی مما فی المخلوقات بحیث لا مناسبة بینهما قال فی البدایة ان العلم منا موجود و عرض وعلم محدث و جائز الوجود ویتجدد فی کل زمان فلو اثبتنا العلم صفة لله لکان موجوداً وصفة قدیمة و واجب الوجود و دائما من الا زل الی الا بد فلا یماثل علم الخلق بوجه من الوجوه"

(خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی مثل نہیں ہے، کیونکہ مثل کے دو ہی معنی ہیں، یا تو مثل اس چیز کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حقیقت میں متحد ہو اور ظاہر ہے کوئی موجود اللہ تعالیٰ کے ساتھ حقیقت میں متحد نہیں ہے اور مثل کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل وہ ہے کہ صفات میں اللہ تعالیٰ کے قائم مقام ہو سکے اور کوئی شے اپنی صفت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی صفت کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت اور مخلوق کے علم وقدرت میں بہت بڑا فرق ہے اور ان میں کوئی مناسبت نہیں۔ مثلاً بندہ کا علم عرض ہے جو کہ محل کی طرف محتاج ہے اور حادث ہے یعنی پہلے معدوم تھا اور بعد میں موجود ہوا اور جائز الوجود ہے، یعنی اگر یہ علم نہ ہو تو کوئی خرابی لازم نہیں آتی اور اللہ تعالیٰ کا علم اس کی ایسی صفت ہے کہ قدیم ہے یعنی اس کی ابتداء نہیں اور واجب الوجود ہے یعنی علم کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لئے ضروری ہے اور انفکاک محال ہے اور ازل سے ابد تک دائم ہے، لہٰذا کسی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ کا علم مخلوق کے علم کی مثل نہیں ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات ہیں۔

اشکال دوم: بندہ نے جو شاہد اور شہید کا معنیٰ ذکر کیا ہے، اس پر منکرین کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ آیت مذکورہ بالا (وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا) سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ (لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ) یعنی تم لوگوں پر قیامت میں

گواہی دو گے، تو اگر شاہد اور شہید کا معنی حاضر کیا جائے تو ساری امت حاضر و ناظر ہو جائے گی حالانکہ ایسا نہیں ہے اس سوال کے دو جواب ملاحظہ ہوں:

جواب اول: مذکورہ بالا سوال منکرین کا بہت مشہور سوال ہے اور اس سے عوام کو کافی دھوکہ لگتا ہے۔ اس لئے اس جواب کو ذرا تفصیل سے بیان کیا جائے گا، اور اس غور پر لازمی ہے۔ تفصیل آیت کی یہ ہے کہ پہلی امتیں قیامت میں انکار کریں گی کہ ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا اور اس نے ہم کو کوئی تبلیغ نہیں کی اور اگلی امتوں کے رسول یہ فرمائیں گے کہ ہم ان کے پاس گئے اور ان کو تبلیغ کی تھی، تو اللہ تعالیٰ رسولوں سے اس دعویٰ پر گواہ طلب فرمائے گا، تو رسول کہیں گے کہ ہماری گواہ امت محمد ﷺ ہے پھر یہ امت قیامت میں گواہی دے گی کہ انبیاء کرام علیہم السلام صحیح فرماتے ہیں کہ یہ اپنی امتوں کے پاس گئے اور ان کو تبلیغ کی، اگلی امتیں اس امت پر اعتراض کریں گی کہ تم تو ہم سے بہت پیچھے ہوئے اور تم ہمارے زمانہ میں موجود نہیں تھے تو پھر تم ہم پر کس طرح گواہی دے سکتے ہو؟ تو یہ امت جواب دے گی کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف حضرت محمد ﷺ کو بھیجا اور ان پر اپنی کتاب نازل فرمائی، اس کتاب مقدس میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو خبر دی کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں کے پاس گئے اور ان کو تبلیغ فرمائی۔

اس پر بیضاوی شریف کی عبارت ملاحظہ ہو:

"روی أن الامم یوم القامة یجحدون تبلیغ الأ نبیاء علیهم السلام فیطا لبهم الله تعالی بینة التبلیغ وهو اعلم بهم اقامة للحجة علی المنکرین فیؤتی بامة محمد ﷺ فیشهدون فتقول الأ مم من أین عر فتم ؟ فیقولون علمنا ذلک باخبار الله تعالیٰ فی کتابه الناطق علی لسان نبیه الصادق"

خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ قیامت کے دن امتیں تبلیغ انبیاء کا انکار کریں گی تو اللہ

تعالی انبیاء کرام علیہم السلام سے تبلیغ پر گواہ طلب فرمائے گا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اس کا علم تھا، اس کے باوجود گواہ اس لئے طلب کیے جائیں گے تا کہ منکرین پر دلیل قائم ہو۔

پس امت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو کر انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں گواہی دے گی، تو سابقہ امتیں اعتراض کریں گی کہ تم کو اس کا کیسے مشاہدہ حاصل ہوا؟ تو یہ امت جواب دے گی کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کتاب کے ذریعہ سے خبر دی جو نبی صادق ﷺ پر نازل فرمائی۔

تو اس آیت میں بھی شہادت کا معنی حضور ہے کیونکہ حضور دو قسم کا ہے اول حضور ذاتی اور دوم حضور علمی جیسا کہ علم کی تعریف کتب منطق میں ہے (العلم هو الحاضر عند المدرک) تو نبی علیہ السلام کی شہادت میں حضور ذاتی ہے اور امت کی شہادت میں حضور علمی اور حاضر ناظر وہ ہے جس کے لئے حضور ذاتی ہو نہ کہ جس کے لئے حضور علمی ہو۔ اس پر دلیل ملاحظہ ہو:

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی حاشیہ بیضاوی میں فرماتے ہیں:

" والمشاهدة بمعنى المعاينة للحضور اما بذاته وشخصه كما فى الا مام والناصر واما بعلمه كما فى القائم بالشهادة"

(یعنی مشاہدہ کا معنی دیکھنا اور حضور ہے یا تو یہ حضور بذاتہ اور بشخصہ ہوگا جیسا کہ امام اور ناصر ہوتا ہے کہ امام کے سامنے جب مقدمات کے فیصلے ہوتے ہیں یا ناصر جب کسی کی مدد کرتا ہے تو یہ دونوں بذاتہ اور بشخصہ حاضر ہوتے ہیں اور جو آدمی عدالت میں گواہی دیتا ہے تو اس کو واقعہ کا حضور علمی ہوتا ہے، یعنی وہ واقع اس کے ذہن میں حاضر ہوتا ہے۔ اگر چہ گواہی دینے کے وقت واقعہ کے مقام پر بذاتہ اور بشخصہ حاضر نہیں ہوتا)

اسی حاشیہ بیضاوی میں فاضل لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ فرمایا:

" وقد مر فى تفسير قوله وادعو اشهداء كم ان التر كيب يدل على الحضور اما ذاتا اوعلماً"

یعنی پہلے گزر چکا ہے کہ شہادت کی ترکیب حضور پر دلالت کرتی ہے اور حضور یا ذاتی ہوتا یا علمی۔

علامہ بیضاوی نے "فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" کی تفسیر میں فرمایا۔

" فمن حضر فى الشهر ولم يكن مسا فرا فليصم فيه وقيل فمن شهد منكم هلال الشهر فليصم"

(یعنی یہاں شہادت کا معنی حضور اور اس کے دو معنی ہیں: معنی اول وہ شخص کہ رمضان میں اپنے گھر میں حاضر ہے اور مسافر نہیں ہے۔ معنی دوم یہ کہ جو ہلال رمضان کو حاضر ہے یعنی جس نے چاند کو دیکھا ہے، وہ روزہ رکھے پہلے معنی میں حضور ذاتی مراد ہے اور دوسرے معنی میں حضور علمی مراد ہے۔)

دلیل ملاحظہ ہو۔ فاضل لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

" فى القاموس شهده شهودا اى حضره وشهد الله انه لا اله الا هو اى علم وقد مر فى تفسير قوله تعالىٰ وادعوا شهداء كم ان التر كيب يدل على الحضور اما ذاتا او علما"

خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ حضور دو قسم ہے ذاتی اور علمی اور یہ جو فرمایا گیا ہے "شهد الله انه لا اله الا هو" یہاں حضور علمی مراد ہے۔

علامہ بیضاوی نے جو" فمن شهد منكم الشهر" کے دو معنی بیان کئے ہیں۔ انہیں فاضل لاہوری اپنے حاشیے میں بیان کرتے ہیں:

"فالا ول مبنى على أن الشهود بمعنى الحضور ذاتا والوجه الثانى مبنى على انه بمعنى الحضور علما أى من علم هلال الشهر و تيقن به"

ان تمام عبارات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضور دو قسم ہے اول حضور ذاتی جو کہ "ويكون الرسول عليكم شهيدا" میں مراد لیا گیا ہے اور دوسرا حضور علمی جو کہ "لتكونوا شهداء على الناس" میں مراد لیا گیا ہے لہٰذا دوسرا اشکال رفع ہوگیا،

یہاں تک دوسرے اشکال کا پہلا جواب ختم ہوا۔ اب دوسرا جواب شروع ہوتا ہے:

جواب دوم: یہ ایک مسلم قاعدہ اور قانون ہے کہ لفظ کا ایک معنی حقیقی ہوتا ہے اور ایک مجازی، ہر جگہ لفظ کا حقیقی معنی لیا جائے گا اور حقیقی معنی کے لئے کسی قرینہ کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ حقیقی معنی کے لئے قرینہ کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے بلکہ معنی کا حقیقی ہونا ہی اس کے مراد ہونے کی دلیل ہوتی ہے اور جہاں حقیقی معنی نہیں بن سکتا تو وہاں معنی مجازی لیا جاتا ہے اور معنی مجازی کے لئے قرینہ کا ہونا ضروری ہے۔ آج کل ایک بری رسم چل نکلی ہے کہ جس جگہ لفظ کا حقیقی معنی نہیں بن سکتا، تو وہاں حقیقی معنی کا انکار ہی کر دیا جاتا ہے اور عذر پیش کیا جاتا ہے کہ اگر یہ حقیقی معنی ہوتا تو یہاں بھی وہ درست ٹھہرتا۔ یہ طریقہ غلط ہے اور جاہلوں کا کام ہے، کیونکہ حقیقی معنی تو لغت سے ثابت ہے، اس کا انکار کیسے ہو سکتا ہے؟ لہٰذا جس جگہ حقیقی معنی نہیں بن سکے گا، وہاں تاویل کی جائے گی۔

اگر چہ یہ قاعدہ قانون ہر اہل علم جانتا ہے لیکن پھر بھی اس کی وضاحت کے لئے بندہ ایک مثال پیش کرتا ہے، مثلاً عربی لغت میں لفظ اسد کی وضع حیوان مفترس (چیرنے پھاڑنے والے حیوان) کے لئے ہے، اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اب عربی کا ایک اور محاورہ ہے (رایت اسدا یرمی) یعنی میں نے اس شیر کو دیکھا جو تیر چلا رہا ہے محاورہ میں اسد کا حقیقی معنی نہیں بن سکتا تو کوئی ذی علم یہ نہیں کہے گا کہ چونکہ اس محاورہ میں اسد کا معنی حیوان مفترس نہیں ہو سکتا لہٰذا یہ اسد کا حقیقی معنی ہی نہیں ہے جب کہ ہر ذی علم جانتا ہے کہ اسد کا حقیقی معنی تو وہی حیوان مفترس ہے لیکن یہاں قرینہ کی وجہ سے معنی مجازی مراد لیں گے، منکرین کو یہاں بھی مذکورہ بالا دھوکہ ہوتا ہے۔ بندے نے لغت کے لحاظ سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جہاں بھی شہادت کا مادہ مستعمل ہو گا تو وہاں مشاہدہ اور حضور کا ہونا ضروری ہے، لہٰذا اس معنی کا انکار نہیں کیا جا سکتا تو قرآن پاک میں جہاں جہاں آنحضرت ﷺ کو شاہد یا شہید فرمایا گیا ہے تو ہم نے وہاں احادیث اور مفسرین کی تصریحات سے ثابت کر دیا ہے کہ یہاں حضور اور مشاہدہ

والا معنی مراد ہے اب منکرین کے خیال میں آیت "لتكونو اشهداء على الناس" میں حضور اور مشاہدہ والا معنی نہیں بن سکتا تو وہ سرے سے حضور اور مشاہدے یعنی حقیقی معنی کا ہی انکار کر دیتے ہیں جو کہ بڑی کم علمی ہے۔ لہٰذا ان کو جاننا چاہیے کہ آیت "لتكونوا شهداء على الناس" میں اگر حقیقی معنی تمہارے خیال میں نہیں بن سکتا تو اس آیت میں توجیہ اور تاویل کرنی چاہیے کہ یہاں شہادت سے مراد یہ ہے کہ امت نے قرآن میں پڑھا کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امت کو تبلیغ کی، نیز اس امت نے صادق و مصدوق ﷺ سے یہی مضمون سنا اور امت کا یہ علم چونکہ مشاہدے سے بڑھ کر ہے، لہٰذا یہ امت مرحومہ اگلی امتوں پر گواہی دے گی۔

اس کی مثال حدیث پاک میں ملاحظہ ہو:

ایک صحابی جن کا نام حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے انہوں نے آنحضرت ﷺ کے حق میں گواہی دی حالانکہ یہ موقع پر حاضر نہ تھے، تو آنحضرت ﷺ نے ان کو فرمایا کہ تم جب موقع پر حاضر نہ تھے تو پھر کیوں شہادت دی؟ تو انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ جب آپ نے فرمایا تو مجھے اس طرح اس بات کا یقین ہو گیا کہ جیسے دیکھی جاتی ہے اس لئے میں نے گواہی دے دی ہے آنحضرت ﷺ حضرت خزیمہ پر اتنے خوش ہوئے کہ فرما دیا کہ جس واقعہ کا گواہ حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو، وہاں دوسرے گواہ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ان کی گواہی دو گواہوں کے برابر ہے اس جگہ بھی شہادت کا حقیقی معنی نہیں ہو سکتا تھا، تو کوئی عقل مند یہ نہیں کہہ سکتا کہ چونکہ حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ میں حضور اور مشاہدہ نہیں ہے، لہٰذا شہادت میں حضور اور مشاہدہ کوئی ضروری نہیں ہے اور حضرت خزیمہ کے واقعہ میں یہ توجیہ کی جائے گی کہ یہاں شہادت سے مراد علم یقینی ہے تو یہ امت مرحومہ قیادت میں امم سابقہ پر گواہی دے گی یہ شہادت اور حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ایک جیسی ہے، یعنی دونوں کی مراد علم یقینی ہے اور یہ علم یقینی اللہ جل شانہ اور رسول اللہ ﷺ

کے فرمان سے حاصل ہوا۔

اشکال سوم: بعض ناسمجھ لوگ شہادت کے حقیقی معنی پر یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ تمام مسلمان کلمہ شہادت پڑھتے ہیں یعنی أشهد أن لا اله الا الله و أشهد أن محمد عبده ورسوله۔ اب اگر شہادت کا معنی حاضر ناظر ہو تو لازم آئے گا کہ ہم اللہ جل شانہ اور رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہے ہیں تو ہم بھی حاضر ناظر ٹھہرے۔

جواب: بندہ پہلے مفردات امام راغب کی عبارت سے ثابت کر چکا ہے کہ شہادت میں جو حضور اور مشاہدہ ہوتا ہے، وہ کبھی بصر یعنی آنکھ سے اور کبھی بصیرت، یعنی عقل سے ہوتا ہے، نیز فاضل لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے حاشیہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضور یا ذاتاً ہوتا یا علماً اور " شهد الله أنه لا اله الا هو " یہاں حضور علمی ہے تو اب سوال کا جواب واضح ہے کہ مسلمان جو کلمہ شہادت پڑھتے ہیں تو اس کی تصدیق اور علم ان کی بصیرت کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور بصیرت اس کا مشاہدہ کرتی ہے۔ تو اب یہاں بھی حضور پایا گیا۔ لہٰذا کوئی اشکال نہیں ہے۔ ہم سے پہلے علمائے کرام علوم شرعیہ میں ماہر ہوتے تھے، لہٰذا ان کے سوالات بھی معقول ہوتے تھے اور جواب بھی معقولیت سے دیا جاتا تھا۔ آج کل علماء کرام علوم شرعیہ میں نہایت کمزور ہیں اس لئے ایسے غیر معقول سوال کرتے ہیں کہ سمجھ دار آدمی کو تعجب ہوتا ہے۔

اشکال چہارم: صحیح مسلم میں ہے "عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ اتى المقبرة فقال: السلام عليكم دار قوم مؤمنين وانا ان شاء الله بكم لاحقون وددت أنا قد أينا اخواننا قالوا أولسنا اخوانك يا رسول الله! قال أنتم اصحابي واخواننا الذين لم ياتوا بعد، فقالوا كيف تعرف من لم يات بعد من أمتك يا رسول الله! فقال أرأيت لو أن رجلا له خيل غر محجلة بين ظهرى خيل دهم بهم ألا يعرف خيله؟ قالو: بلى يا رسول الله! قال فانهم يأتون غرا محجلين من الوضوء. وأنا فرطهم

على الحوض، ألا ليذادن رجال عن حوضي كما يزاد البعير الضال، اناديهم الا هلم فيقال انهم قد بدلوا بعدک فاقول سحقا سحقا"

(اس حدیث کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ قبرستان میں تشریف لے گئے اور ان کو سلام کہا پھر فرمایا کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھنا چاہتا ہوں، صحابہ نے عرض کی کہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم میرے اصحاب ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک دنیا میں نہیں آئے۔ تو صحابہ نے عرض کی کہ جو لوگ اب تک آپ کی امت میں سے نہیں آئے، ان کو آپ کس طرح پہچانیں گے؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم ہی بتاؤ کہ کسی شخص کا گھوڑا غر محجل ہو یعنی اس کے چاروں پاؤں اور ماتھا سفید ہو اور وہ گھوڑا بالکل سیاہ گھوڑوں میں مل جائے تو کیا وہ آدمی اپنا گھوڑا پہچان نہیں لے گا؟ صحابہ نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ! خوب پہچان لے گا، تو آپ نے فرمایا وہ لوگ بھی قیامت کے دن غر محجل ہوں گے یعنی ان کے ہاتھ پاؤں اور پیشانی وضو کے سبب نورانی ہوگی اور میں حوض کوثر پر ان کا انتظار کروں گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کئی لوگ ایسے ہوں گے جو میرے حوض سے دور کئے جائیں گے جیسا کہ کسی کا گم شدہ اونٹ حوض سے دور کیا جاتا ہے، تو میں ان کو بلاؤں گا کہ ادھر آؤ تو مجھے جواب دیا جائے گا کہ انہوں نے آپ کے بعد دین تبدیل کر لیا تھا تو میں کہوں گا کہ دور ہو جاؤ! دور ہو جاؤ!)

جن لوگوں کا اس حدیث شریف میں ذکر ہے کہ ان کو حوض کوثر سے دور رکھا جائے گا، ان کے متعلق مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں اس طرح وارد ہے

"وليصدنّ عنى طائفة منكم فلا يصلون، فاقول: يا رب هؤلاء من أصحابي فيجيبني ملك فيقول" هل تدرى ما احدثوا بعدک)

اس حصہ کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں تم میں سے ایک گروہ قیامت کے دن مجھ سے دور کیا جائے گا پس، وہ گروہ نہیں پہنچ سکے گا، تو میں کہوں گا کہ اے رب!

یہ تو میرے اصحاب سے ہیں، تو فرشتہ جواب دے گا کیا آپ جانتے ہیں وہ چیز، جو انہوں نے آپ کے بعد پیدا کی؟''

جن لوگوں کا اس حدیث شریف میں ذکر ہے ان سے مراد منافقین اور مرتدین ہیں اور جو لوگ آپ کے زمانہ میں مسلمان تھے کہ بعد میں مرتد ہو گئے۔

منکرین حاضر وناظر ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں کہ قیامت تک آنے والے لوگوں کے اعمال پر آپ مطلع نہیں ہیں اگر مطلع ہوتے تو ان کو کیوں کہتے کہ ادھر آؤ۔ نیز ان کو کیوں کہتے ہیں کہ یہ میرے اصحاب سے ہیں نیز فرشتہ یہ کیوں کہتا ہے کہ ''ھل تدری ما احدثوا بعدک'' کیوں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نہیں جانتے جو انہوں نے بعد میں کیا ہے۔ یہ احادیث منکرین عرض اعمال اور آنحضرت ﷺ کے علم کلی کے خلاف بھی استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں اور ان احادیث کے سمجھنے میں منکرین اور ان کے محدثین سے بہت سی لغزشیں واقع ہوئی ہیں۔ لہٰذا اس سوال کے جوابات بندہ ذرا تفصیل بیان کرے گا۔ امید ہے کہ منصف لوگ اس کی قدر کریں گے۔

جواب اول: بندہ کہہ چکا ہے کہ باطل ظاہر ہوتا ہے اور حق پوشیدہ ہوتا ہے۔ ان احادیث میں غور کرنے سے یہ پتا چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں کا دنیا میں بھی پورا پورا علم تھا اور قیامت میں بھی ان کا علم ہو گا کسی صورت میں منکرین ان احادیث کے ساتھ استدلال نہیں پکڑ سکتے کہ آپ ان لوگوں کو نہیں جانتے تھے۔

جواب کی تمہید کے لئے ایک حدیث کا پہلے جاننا ضروری ہے۔ مسلم اور بخاری دونوں میں حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ ''آنحضرت ﷺ نے ہر شے کو قیامت تک بیان فرما دیا جس نے یاد رکھا اسے یاد رہا اور جس نے بھلا دیا اس کو بھول گیا'' اور میرے یہ دوست اس کو بھی جانتے ہیں کہ ''کبھی کبھی ایسی شے واقع ہو جاتی ہے کہ میں اسے بھول گیا تھا پس جس وقت میں اسے دیکھتا ہوں تو مجھے یاد آجاتی ہے''

کہ یہ آنحضرت ﷺ نے فرمائی تھی جیسا کہ ایک آدمی دوسرے آدمی سے غائب ہو جاتا ہے اور آدمی غائب کو بھول جاتا ہے اور جب دوبارہ دیکھتا ہے تو اس کو یاد آجاتا ہے کہ یہ تو وہی شخص ہے۔ جس کو میں نے پہلے دیکھا تھا اس حدیث سے روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ سے جو واقعات استقبالیہ سنے تھے اگرچہ درمیان میں ان کو بھول گئے لیکن جب وہ واقعہ ظہور پذیر ہوتا تھا، تو صحابہ کرام جان جاتے تھے کہ یہ تو وہی واقعہ ہے۔ جس کا آپ نے ذکر کیا تھا۔

اب ذرا مسلم شریف کی حدیث کی طرف آیئے، جب آنحضرت ﷺ نے دنیا میں صحابہ کرام کو فرمادیا کہ قیامت میں کئی ایسے لوگ ہوں گے کہ میں ان کو اپنی طرف بلاؤں گا تو فرشتے کہیں گے کہ یہ آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور پھر میں ان کو کہوں گا کہ دور ہو جاؤ! تو اس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو دنیا میں ان کے کفر کا علم تھا، جیسے اس حدیث کے پڑھنے والے کو علم ہو جاتا ہے کہ یہ مرتدین ہیں اور آپ کی امت نہیں ہے، تو جب قیامت میں یہ واقعہ پیش آئے گا تو آپ کو اس وقت بھی ان لوگوں کا یقیناً علم ہو گا کہ یہ وہی مرتدین ہیں جن کا ذکر میں دنیا میں اپنی امت کو بتا آیا ہوں بلکہ قیامت میں جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں گے تو آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ میں ان کے متعلق یہ کہوں گا کہ (ھولاء من اصحابی) اور فرشتہ مجھے یہ جواب دے گا کہ (ھل تدری ما احدثوا بعدک) منکرین کی یہ کتنی افسوس ناک بات ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تو جو واقعہ حضور سے سنیں کہ آئندہ یہ ہونے والا ہے، تو جب وہ واقعہ پیش آئے گا، تو صحابہ کرام کو علم ہو جائیگا کہ یہ وہی واقعہ ہے جس کا حضور ﷺ نے تذکرہ فرمایا تھا اور منکرین کے اعتقاد کے مطابق آنحضرت ﷺ جس واقعہ کا ذکر دنیا میں صحابہ کرام کے سامنے فرماتے ہیں اور دنیا میں اس واقعہ کا آپ کو علم ہے تو جب قیامت کے دن وہ واقعہ پیش آتا ہے تو آپ کو اس کا کوئی علم نہیں ہوتا کہ یہ تو وہی واقعہ ہے کہ جو میں نے دنیا میں بیان کیا تھا، تو منکرین کے عقیدہ کے

مطابق صحابی کا علم سرور دو عالم ﷺ کے علم سے زیادہ پختہ ہوا کیونکہ صحابی نے جو آپ
سے سنا تھا جب وہ واقعہ اس کے سامنے آیا تو اس کو علم ہو گیا کہ وہی واقعہ ہے جو میں
نے سنا تھا لیکن آنحضرت ﷺ دنیا میں ایک واقعہ کا ذکر فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ہونے
والا ہے لیکن جب وہ واقعہ وقوع پذیر ہوتا ہے تو منکرین کے عقیدہ کے مطابق آپ کو یہ
علم نہیں ہوتا کہ یہ وہی واقعہ ہے جو دنیا میں بیان کر چکا ہے۔ کیا اس عقیدہ والا آدمی
آپ کے ساتھ محبت میں مخلص ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اب واضح ہو گیا کہ جب آپ
قیامت میں ان لوگوں کو دیکھیں گے، تو پہلی نظر میں پہچان جائیں گے کہ یہ وہی کفار
اور مرتدین ہیں جن کا ذکر میں دنیا میں اپنی امت کو کر آیا ہوں۔

غور فرمائیں کہ اس پندرھویں صدی کے اہل سنت، جو مسلم شریف کی ان
احادیث کو پڑھتے ہیں اور ساری عمر پڑھاتے رہتے ہیں اور دنیا میں ان کو علم ہے کہ یہ
کفار اور مرتدین ہیں، یہ اہل سنت جب قیامت میں ان لوگوں کو دیکھیں گے کہ یہ لوگ
حوض کوثر سے روکے جا رہے ہیں تو فوراً معلوم کر لیں گے کہ یہ وہی کفار اور مرتدین ہیں
جن کا ذکر ہم مسلم شریف میں دنیا میں پڑھ آئے ہیں اور پڑھا آئے ہیں تو پھر شارع
علیہ السلام کو، جن کا علم نہایت ہی قوی ہے، کس طرح قیامت میں علم نہیں ہوگا؟ جن
کے علم کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں بایں الفاظ بیان فرمایا ہے (اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ)
کہ اے محبوب! قرآن کا بیان کرنا ہماری ذمہ داری ہے، رہا یہ سوال کہ جب آپ ان کو
جانتے ہیں تو پھر قیامت میں ان کے متعلق سوال کیوں کریں گے؟ تو اس کا جواب بندہ
ان شاء اللہ آگے چل کر مدلل اور بحوالہ کتب معتبرہ عند المنکرین بیان کرے گا انتظار
فرمائیں۔

جواب دوم: ان ہی احادیث کے اول میں گزر چکا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے
آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ جن بھائیوں کے دیکھنے کی آپ تمنا فرما رہے ہیں، جو
بعد میں آنے والے ہیں، ان کو آپ کیسے شناخت کریں گے کہ یہ میری امت اور

میرے بھائی ہیں؟ تو آپ نے نہایت واضح مثال سے سمجھایا کہ میں ان کو کس طرح
شناخت کروں گا، مثال یہ ہے کہ ایک بندہ کا گھوڑا اغر محجل ہو یعنی اس کے پاؤں اور
پیشانی سفید ہو اور بالکل سیاہ گھوڑوں میں مل جائے، تو کیا وہ آدمی اپنے گھوڑے کی
شناخت نہیں کرے گا؟ اب جس آدمی کا گھوڑا اغر محجل ہو اس آدمی کے سامنے ایک بالکل
سیاہ گھوڑا پیش کیا جائے، جس کو اس آدمی نے اس سے پہلے بالکل نہیں دیکھا اور اس
سے پوچھا جائے کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ تمہارا گھوڑا ہے یا نہیں؟ تو فوراً کہہ دے گا کہ
میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ میرا گھوڑا نہیں ہے کیونکہ میرے گھوڑے والی علامات اس میں
موجود نہیں اور اگر یہ شخص یہ کہے کہ میرے گھوڑے کی فلاں فلاں علامتیں ہیں اور وہ
علامتیں اس سیاہ گھوڑے میں نہیں پائی جاتی، لیکن اس کے باوجود مجھے یہ علم نہیں ہے کہ
یہ میرا گھوڑا ہے یا نہیں تو ایسے آدمی کو کوئی عقل مند، سمجھدار نہیں کہے گا بلکہ مجنوں کہے گا،
تو جب آپ نے اپنی امت کی علامتیں غر محجل فرمائی ہے اور یہ علامتیں مومنوں میں پائی
جائیں گی اور کفار مرتدین میں نہیں پائی جائیں گی، تو یقیناً قیامت میں آپ مومنوں کو تو
اس وجہ سے شناخت کریں گے کہ ان میں وہ علامتیں پائی جاتی ہیں اور کفار کو اس وجہ
سے شناخت کریں گے کہ ان میں وہ علامات نہیں پائیں گے اور دنیا میں بھی دوست
اور اجنبی کی شناخت کا یہی طریقہ ہے کہ آدمی دوست کی شکل اور چہرہ مہرہ جانتا ہے۔
اب اس شخص کے سامنے اگر ایک اجنبی کو پیش کیا جائے، جس کو اس نے اس سے پہلے
کبھی نہیں دیکھا اور اس سے سوال کیا جائے کہ بتاؤ تجھے علم ہے کہ یہ تمہارا دوست ہے یا
تم کو علم ہے کہ یہ تمہارا دوست نہیں؟ تو فوراً کہہ دے گا کہ یہ میرا دوست نہیں ہے،
کیونکہ میرے دوست کی شکل اور چہرہ مہرہ اس میں نہیں پایا جاتا اگر وہ شخص کہے کہ
میرے دوست کی علامات تو اس اجنبی میں نہیں پائی جاتیں لیکن اس کے باوجود مجھے یہ
علم نہیں ہے کہ یہ اجنبی میرا دوست ہے یا کہ نہیں ہے تو اس کو سفیہ (بے وقوف) ہی کہا
جائے گا۔

منکرین کے عقیدہ کے مطابق اگر قیامت میں آپ امت اور غیر امت میں اور مومنوں اور کفار، مرتدین میں امتیاز نہ فرما سکیں گے تو غرہ تحجیل والی حدیث کی تکذیب ہوتی ہے، حیف منکرین کے محدثین پر جو یہ کہتے ہیں کہ مومنوں کو تو آپ علامات سے پہچانیں گے اور کفار و مرتدین کو باوجود اس کے کہ ان میں وہ علامات نہیں ہیں پہچان نہیں سکیں گے۔

خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ قیامت میں امتیاز کا مدار غرہ اور تحجیل پر ہے۔ مسلمانوں میں یہ علامتیں موجود ہوں گی، لہٰذا وجود علامات کی وجہ سے مومنوں کو پہچانیں گے اور کفار و مرتدین میں غرہ اور تحجیل کی نفی ہوگی، لہٰذا کفار، مرتدین کو اس نفی کی وجہ سے پہچانیں گے۔ آنحضرت ﷺ کا تو معاملہ ہی اور ہے اور جو علمائے اہل سنت غرہ اور تحجیل والی حدیث کو دنیا میں پڑھتے پڑھاتے رہے ہیں، وہ بھی قیامت میں ان علامات کے اثبات اور نفی سے اس امت مرحومہ اور غیر امت میں آسانی سے امتیاز کر لیں گے۔

اگر منکرین کے محدثین سے کوئی پوچھے کہ کیا اس غرہ اور تحجیل کی علامت سے تم مومنوں اور کفار و مرتدین کو قیامت میں پہچان لو گے یا نہیں؟، تو میرے خیال میں یہ اثبات میں جواب دیں گے، تو گویا یہ لوگ سرور دو عالم ﷺ کے علم کو اپنے علم سے بھی کمتر جانتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ھذہ العقیدۃ القبیحۃ.

قارئین کرام! چونکہ حدیث مسلم شریف سے منکرین عوام کو بڑا دھوکہ دیتے ہیں، اس لئے جواب میں طوالت آگئی ہے اور قارئین کو تکرار کا بھی وہم ہوگا۔ لہٰذا بندہ معذرت خواہ ہے۔

جواب سوم: مستدرک حاکم میں بندہ نے ایک حدیث پڑھی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کو فرمایا کہ قیامت میں کئی ایسے لوگ ہوں گے جن کو حوض کوثر سے روکا جا رہا ہوگا تو حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً سوال کیا کہ یا

رسول اللہ ﷺ میں ان لوگوں میں ہوں گا یا نہ؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ آپ ان میں سے نہیں ہوگے، تو اس سے بھی پتہ چلا کہ ان کفار اور مرتدین کا دنیا میں آپ کو پورا پورا علم ہے کہ وہ کون لوگ ہوں گے؟ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو آپ کے بعد مرتد ہوئے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ھولآء من اصحابی" تو آپ کو دنیا میں ان لوگوں کا علم تھا جنہوں نے بعد میں مرتد ہونا تھا۔

جواب چہارم: علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو مرسل حدیث ذکر فرمائی ہے، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے، دوبارہ ملاحظہ ہو۔

"لیس من یوم الا یعرض علی النبی ﷺ أمة غدوة وعشیّة فیعرفهم بسیماهم وأعمالهم فلذلک یشهد علیهم ففی هذا المرسل ما یرفع الاشکال الذی تضمنه حدیث ابن فضالة"

اس حدیث شریف میں یہ امر صراحۃً مذکور ہے کہ خواہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے لوگ ہوں یا قیامت تک آنے والی امت، آپ صرف ان کے اعمال پر ہی مطلع نہیں بلکہ عمل کرنے والوں کو بھی ان کی شکل اور چہرہ مہرہ سے پہچانتے ہیں اور یہی علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کا مختار ہے۔ لہٰذا ابن حجر رحمہ اللہ نے اخیر میں فرمایا کہ ابن فضالہ کی حدیث سے جو اشکال پیدا ہوتا تھا کہ آپ صرف ان لوگوں کو جانتے ہیں جو آپ کے زمانہ میں تھے، وہ اشکال مرسل حدیث سے رفع ہوگیا، کیونکہ اس حدیث میں زمانہ کی تخصیص نہیں ہے، اس لئے کہ ہر روز صبح و شام امت اور اس کے عاملین آپ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ نیز عزیزی سے بھی یہی مضمون گزر چکا ہے کہ آپ قیامت تک آنے والے مومن اور کافر سب کو مع ان کے اعمال کے پہچانتے ہیں، تو اب منکرین کا وہ اشکال رفع ہوگیا جو یہ کہتے ہیں کہ جو لوگ قیامت میں حوض کوثر سے روکے جائیں گے، آپ ان کے اعمال کو نہیں جانتے۔ لہٰذا اس حدیث مسلم کی تاویل

اور توجیہ کی جائے گی جو کہ بندہ آئندہ سطور میں ذکر کرے گا۔

مولوی شبیر احمد عثمانی صاحب نے شرح فتح الملہم میں حدیث مسلم کا یہ جواب دیا ہے کہ مسلمانوں کے اعمال تو آنحضرت ﷺ پر پیش کئے جاتے ہیں اور ان اعمال کی وجہ سے آپ مسلمانوں کو پہچانتے ہیں لیکن چونکہ کفار کے اعمال پیش نہیں کئے جاتے اس لیے ان کو قیامت میں نہیں پہچانیں گے، حدیث مسلم میں جن لوگوں کا ذکر ہے کہ وہ حوض کوثر سے روکے جائیں گے وہ چونکہ مرتدیں اور کافر ہیں۔ اس لے آپ ان کو نہیں پہچانیں گے۔

یہ جواب دووجہ سے مردود ہے!

وجہ اول: حدیث ابن المسیب میں مومنوں، کافروں کی کوئی تخصیص نہیں ہے، بلکہ تمام امت دعوت کے اعمال مع عاملین کے آنحضرت ﷺ پر پیش کئے جاتے ہیں، اور تفسیر عزیزی میں تو کفار اور منافقین کی تصریح بھی موجود ہے کہ آپ ان سب کو تا قیامت مع اعمال کے پہچانتے ہیں۔ تفسیر عزیزی کا وہ حصہ دوبارہ ملاحظہ ہو:

"پس می شناسد گناہاں شمارا و لھذا شہادت او در دنیا بہ حکم شرع در حق امت مقبول و واجب العمل است و آنچہ از فضائل، و مناقب حاضران زمان خود مثل صحابہ و ازواج و اہل بیت یا غائبان از زمان خود مثل اویس و صلہ و مہدی و مقتول دجال یا از معائب و مثالب حاضران و غائبان می فرماید اعتقاد برآن واجب است و ازین است کہ در روایات آمد کہ ہر نبی را بر اعمال امتیاں خود مطلع می سازند کہ فلانے امروز چنیں میکند و فلانے چناں تا روز قیامت ادائے شہادت تواند کرد"

غور فرمائیں کہ اس عبارت میں تصریح ہے کہ آپ ہر ایک کے اخلاص و نفاق کو جانتے ہیں۔ اخلاص مومنوں میں ہے اور نفاق کفار میں۔ نیز اس عبارت میں تصریح ہے کہ آپ حاضران زمانہ مقدس اور ان کے اعمال و احوال کو ہی نہیں جانتے بلکہ جو لوگ آپ کے زمانہ سے غائب ہیں، ان کے احوال و اعمال نیک و بد کو بھی

پہچانتے ہیں۔ نیز شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمادی کہ اس کا عقیدہ رکھنا واجب ہے اور اس کی دلیل یہ بیان فرمائی کہ روایات میں آچکا ہے کہ ہر نبی اپنی امت کو مع ان کے اعمال و احوال کے پہچانتا ہے تو صاحب فتح الملہم کا یہ کہنا کہ صرف مومنوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور کافروں کے پیش نہیں ہوتے، باطل ٹھہرا۔

وجہ دوم: اگر تسلیم ہی کرلیا جائے کہ آپ پر صرف مومنوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور کافروں کے پیش نہیں کئے جاتے، تو بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ قیامت میں مومنوں اور کافروں دونوں کو پہچانیں گے۔ مومنوں کو تو اس وجہ سے پہچانیں گے کہ وہ مومن آپ کے سامنے مع اعمال کے پیش کئے جاتے رہے اور کافروں، منافقوں کو اس وجہ سے پہچانیں گے کہ وہ مع اعمال کے آپ کے سامنے پیش نہیں کئے جاتے تھے، جیسا کہ مشہور مقولہ ہے **(الاشیاء تعرف باضدادھا)**

یہ بات اگرچہ واضح ہے لیکن پھر بھی بندہ اس کی ایک مثال پیش کرتا ہے، مثلاً ایک آدمی صبح و شام بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر بادشاہ کی خدمت سرانجام دیتا ہے اور ایک دوسرا آدمی ہے جو نہ کبھی بادشاہ کے دربار میں گیا اور نہ کبھی خدمت سرانجام دی، تو اگر یہ دوسرا آدمی بادشاہ کے سامنے پہلی دفعہ پیش کیا جائے اور بادشاہ سے پوچھا جائے کہ جناب والا کیا! آپ جانتے ہیں کہ یہ وہی شخص ہے جو کہ آپ کے دربار میں آتا اور جاتا ہے اور خدمت ادا کرتا ہے یا آپ یہ جانتے ہیں کہ یہ مذکورہ بالا آدمی نہیں ہے تو بادشاہ فوراً یہ جواب دے گا کہ میں جانتا ہوں کہ یہ خادم شخص نہیں ہے۔ یہ تقریر بعینہٖ اسی طرح کی ہے جو کہ غرہ، تحجیل کی وجہ سے پہچانیں گے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ قیامت میں آنحضرت ﷺ مومنوں اور کافروں سب کو عرض اعمال اور غرہ، تحجیل کی وجہ سے پہچانیں گے، مومنوں کو تو اس وجہ سے کہ غرہ و تحجیل اور عرض اعمال ان میں پایا گیا اور کفار کو اس طرح پہچانیں گے کہ یہ اوصاف ان میں نہیں پائے گئے۔ اور علامات سے پہچاننے کا یہ ایک معروف طریقہ ہے۔

صاحب فتح الملہم نے حدیث مسلم کا ایک اور جواب بھی دیا ہے۔ وہ یہ کہ آپ کے سامنے صرف مومنوں اور کافروں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور آپ ان اعمال کو جانتے ہیں۔ لیکن خود مومن کافر نہیں پیش کئے جاتے۔ اس لئے آپ ان کو قیامت میں نہیں پہچانیں گے۔ یہ جواب بھی مردود ہے کیونکہ اس میں حدیث غرہ، تحجیل کی صراحۃً تکذیب ہے اور حدیث سعید بن مسیب کے بھی صریحاً خلاف ہے کیونکہ ان دونوں میں مذکور ہے آپ جمیع امت کے اعمال مع عاملین کے جانتے اور پہچانتے ہیں۔

تنبیہ: حدیث شریف، جس میں مذکور ہے کہ قیامت کے دن بعض لوگوں کو حوض کوثر سے روکا جائے گا اور آنحضرت ﷺ ان کے متعلق فرمائیں گے کہ "ھولاء من اصحابی" اس سے منکرین نے استدلال کیا ہے کہ نہ تمام لوگوں کے اعمال آپ پر پیش کئے جاتے ہیں اور نہ آپ سب آدمیوں کو قیامت تک جانتے ہیں ورنہ مذکورہ بالا آدمیوں کے متعلق یہ نہ فرماتے کہ "ھولاء من اصحابی"

اس دلیل کے یہاں تک چار صحیح جواب گزر چکے ہیں اور دو غلط جواب، جن کو صاحب فتح الملہم نے ذکر کیا ہے، ان کو رد کیا جا چکا ہے اب حدیث شریف سے استدلال کا جواب پنجم ملاحظہ ہو:

جواب پنجم: منکرین جو حدیث مسلم سے استدلال لاتے ہیں کہ وہ لوگ جن کو قیامت کے دن حوض کوثر سے روکا جائے گا، آنحضرت ﷺ ان کو نہیں جانتے تھے۔ اب بندہ ان سے پوچھتا ہے کہ اس حدیث شریف میں وہ کون سے الفاظ ہیں؟ جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ ان لوگوں کو نہیں جانتے تھے۔ اس جگہ دو ہی احتمال ہیں:

اول: یہ کہ آنحضرت ﷺ ایک روایت میں ان کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ "یا رب ھولاء من اصحابی" اور دوسری روایت میں ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ "انادیھم الا ھلم" پہلی عبارت کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! یہ میرے اصحاب سے

ہیں اور دوسری عبارت کا یہ معنی ہے کہ میں ان کو بلاؤں گا کہ ادھر آؤ۔ اگر ان پر اور ان کے اعمال پر آپ مطلع ہوتے کہ وہ کافر مرتدین ہیں تو کبھی آپ ان کی سفارش نہ فرماتے اور ان کو اپنی طرف نہ بلاتے، جب سفارش کی اور اپنی طرف بلایا، تو معلوم ہوا کہ ان پر اور ان کے اعمال پر آپ مطلع نہیں ہیں۔

احتمال دوم: جب آپ ان لوگوں کی سفارش کریں گے اور ان کو بلائیں گے، تو ایک روایت میں یہ جواب دیا جائے گا (ھل تدری ما احدثوا بعدک) اور دوسری روایت میں یہ جواب دیا جائے گا کہ (قد بدلوا بعدک) پہلے جواب کا یہ معنی ہے کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا چیز پیدا کی؟ اور دوسرے جواب کا یہ معنی ہے کہ تحقیق آپ کے بعد انہوں نے دین کو تبدیل کر دیا۔

ان دونوں جوابوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو ان کا علم نہیں تھا، حالانکہ یہ دونوں احتمال مردود ہیں اور ان دونوں احتمالوں سے یہ ہرگز پتہ نہیں چلتا کہ آپ ان کو نہیں جانتے تھے۔

پہلے بندہ احتمال ثانی پر بحث کرتا ہے کہ ایک جواب میں یہ ہے "قد بدلوا بعدک" یہاں آنحضرت ﷺ کے علم کا ذکر ہی نہیں بلکہ اس میں صرف یہ ہے کہ انہوں نے اپنا دین تبدیل کر لیا۔ یہ جملہ خبر ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ جملہ خبریہ سے ہمیشہ متکلم مخاطب کو صرف حکم ہی کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ جملہ خبریہ کئی اور مقاصد کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے۔ مثلاً غم اور حزن کے لئے بھی جملہ خبریہ استعمال ہوتا ہے جیسے مریم علیہا السلام کی والدہ ماجدہ نے اللہ تعالیٰ کو خطاب کرتے ہوئے عرض کیا "انی وضعتھا انثی" جس کا معنی یہ ہے کہ میں نے لڑکی جنی ہے۔

یہاں علمائے بلاغت تصریح فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ کو خبر دینا مقصود نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے اس کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پہلے سے علم ہے کہ کلام کرنے والی بھی جانتی ہے کہ اس نے لڑکی جنی ہے۔ لہٰذا اس کلام کا مقصد

صرف غم اور حزن کا ظاہر کرنا ہے اور کبھی جملہ خبریہ سے متکلم کا یہ مقصد ہوتا ہے جیسے
مخاطب اس خبر کو جانتا ہے، متکلم کو بھی اس خبر کا علم ہے۔ جس کی مثال علمائے بلاغت
نے یہ دی ہے۔ "قد حفظت التوراۃ" یعنی تو نے تورات یاد کرلی ہے، تو مخاطب
اس کلام سے پہلے اس کا عالم تھا کہ اس نے تورات یاد کی ہے، متکلم کی غرض اس کلام
سے صرف یہ ہے کہ میں بھی اس امر کو جانتا ہوں۔

منکرین کا استدلال اس عبارت سے اس وقت درست ہوگا کہ مذکورہ بالا جملہ
سے حکم کا افادہ مقصود ہو یعنی آپ پہلے اس کو حکم نہیں جانتے تھے اور اب کلام سے حکم کا علم آیا،
حالانکہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس عبارت میں اظہار غم وحزن کیا گیا ہو کہ یہ بڑی افسوس کی
بات ہے کہ ان لوگوں نے آپ کے اصحاب میں سے ہوتے ہوئے اپنا دین تبدیل کرلیا اور
یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ اس کلام سے متکلم کی یہ غرض ہو کہ میں بھی جانتا ہوں کہ انہوں نے
دین کو تبدیل کرلیا ہے جیسے کہ آپ جانتے ہیں تو اب منکرین کا استدلال درست نہ ہوا
کیونکہ یہ ایک مشہور قانون ہے کہ "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال"

نیز بندہ نے جو دو آخری احتمال ذکر کئے ہیں ان پر عرض اعمال والی حدیث
بھی دلالت کرتی ہے اور یہی عرض اعمال والی حدیث احتمال اول کے خلاف ہے، جس
پر منکرین کے استدلال کا مدار ہے، احتمال اول سے بندہ کی مراد حکم کا افادہ ہے۔

اور دوسرے جواب میں یہ ہے "ھل تدری ما احدثوا بعدک" اس
عبارت میں بے شک آپ کے علم ودرایت کا ذکر ہے لیکن اس سے علم ودرایت کی نفی
ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ عبارت اس طرح ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے "ھَلْ
اتی علی الانسان حین" مِنَ الدَّھرِ لَم یَکُنْ شَیئًا مَذْکُورًا" قرآن پاک کی
آیت کا یہ مطلب ہے کہ یقیناً انسان پر ایسا وقت آیا ہے کہ وہ کوئی شے نہیں تھا۔ اسی
طرح ھل تدری کا بھی یہی مطلب ہے کہ یقیناً آپ جانتے ہیں جو چیز انہوں نے
آپ کے بعد پیدا کی تو دونوں جگہ ھل بمعنی قد ہے اور بندہ کی اس تاویل پر عرض اعمال

والی حدیث دلالت کرتی ہے۔ بعض روایات میں یہ لفظ ہیں "لا تدری ما احدثوا
بعدک" یہاں علم اور درایت کی نفی ہے تو تمام روایات جمع کرنے کے لئے کہا جائے
گا کہ لا تدری میں حرف استفہام محذوف ہے، اور یہ تاویل ہم کو اس لئے کرنی پڑی
ہے کہ عرض اعمال والی حدیث اس کے خلاف ہے۔

یہاں تک بندہ نے احتمال ثانی کو رد کیا ہے کہ دونوں جوابوں سے آپ کے
علم کی نفی نہیں ہوئی۔

اب بندہ پہلے احتمال پر بحث کرتا ہے یعنی ایک روایت میں آپ نے عرض کیا
(یا رب ھولاء من اصحابی) اور دوسری روایت میں یہ فرمایا کہ (الا ھلم) تو
ان دونوں عبارتوں سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کو ان لوگوں کا علم نہیں تھا۔ اب
یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جب آپ کو علم تھا تو پھر یہ سفارش کیوں فرمائی؟ تو اس کے علماء
نے کئی جواب دیے ہیں۔

جواب اول: آپ نے جو فرمایا، (ھولاء من اصحابی) تو یہ ان لوگوں کو مزید غم
میں ڈالنے کے لئے فرمایا گیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آپ ان کو اپنی طرف
مضاف کریں گے اور فرمائیں گے کہ (ھولاء من اصحابی) تو ان لوگوں کے دل
میں نجات کی قوی امید پیدا ہو جائے گی کہ شفیع المذنبین ﷺ نے ہماری سفارش کی ہے
اور ہم کو اپنی طرف مضاف کیا ہے تو جب فرشتہ جواب دے گا۔ اور آپ سحقا سحقا
فرمائیں گے یعنی دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ، تو اب ان کو جو نجات کی قوی امید تھی وہ ٹوٹ
جائیگی اور ان کو شدید صدمہ پہنچے گا۔ کیونکہ جس چیز کی قوی امید ہو اور وہ امید منقطع ہو
جائے، تو شدید صدمہ ہوتا ہے، شارحین حدیث نے اس کو اقناط کلی سے تعبیر کیا
ہے یعنی پورا ناامید کرنا یہ جواب بھی اس پر دال ہے کہ وہ لوگ کفار اور مرتدین تھے اور
مومن نہیں تھے کیونکہ مومن کو اللہ تعالی کی رحمت سے کلی طور پر ناامید نہیں کیا جاسکتا۔

جواب دوم: جب آپ ان لوگوں کو اپنے اصحاب میں شامل کریں گے اور اس کے

بعد فرمائیں گے دور ہو جاؤ تو ان کو سخت حسرت پیدا ہو گی کہ ہم آپ کے اصحاب تھے، چاہیے تو یہ تھا کہ ہم بہشت میں بلند درجے حاصل کرتے، لیکن شیطان نے ہم کو گمراہ کیا اور ہم قہر و ذلت میں چلے گئے۔ یہ دونوں جواب فتح الملہم سے پتہ چلتے ہیں چونکہ یہ دونوں جواب اہل سنت کے عقیدہ سے کچھ مناسبت رکھتے ہیں اس لئے بندہ نے یہاں ان کو ذکر کر دیا ہے اور صاحب فتح الملہم نے جو تیسرا جواب دیا ہے، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے وہ چونکہ اہل سنت کے عقیدہ سے متصادم تھا، اس لئے اس کو رد کر دیا ہے۔

جواب سوم: باوجود علم کے کہ یہ کافر مرتد ہیں چونکہ آنحضرت ﷺ رحمۃ للعلمین ہیں۔ اس لئے غایت رحمت کی وجہ سے ان کی سفارش فرمائیں گے یہ جواب الکواکب الدری حاشیہ ترمذی میں محدث سہارنپوری نے دیا ہے جو کہ دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہے، فتح الملہم اور الکوکب الدری کے جواب سے بندہ کا مقصد منکرین کو الزام دینا ہے کہ جس چیز کا ان کے محدثین اقرار کرتے ہیں، وہ اس کے منکر کیوں ہیں؟

جواب چہارم: یہ جواب صاحب روح المعانی کا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

''انه عليه الصلوة والسلام يعلم ألا عيان أيضا الا أنه نسى فقال أصحابى ولتعظيم قبح ما أحد ثوا قيل له انک لا تدرى ما احدثوا بعدک''

یعنی آنحضرت ﷺ ان لوگوں کے اعمال اور ذوات دونوں کو جانتے ہیں اور عرض اعمال کی وجہ سے آپ کو ان کا علم ہے۔ لیکن قیامت میں اس علم کی طرف سے ذرا توجہ ہٹ جائے گی، تو فرمائیں گے اصحابی اور اسی طرح آپ کو اس چیز کا علم تھا جو ان کفار اور مرتدین نے آپ کے بعد پیدا کی۔ لیکن چونکہ یہ بدعت بہت بڑی قبیح تھی، اسلئے علم کے باوجود فرمایا گیا کہ انک لا تدری مقصد نفی علم نہیں ہے بلکہ بدعت کے عظیم قبح کا اظہار ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين وصلى الله تعالىٰ خير خلقه محمد وعلى اله واصحابه اجمعين

قوالی کی شرعی حیثیت

مسئلہ امامت
اور
عورت کی حکمرانی

روزہ کب افطار کریں